جلالۃ الملک
شاہ حسین



جلالۃ الملک

شاہ حسین

(شاہ عبداللہ کے قتل سے جنگ اسرائیل تک)

فخر ہمایوں

مکتبۃ الاخوان * پیسہ اخبار انارکلی * لاہور

جلالۃ الملک

شاہ حسین

○

باراوّل ؛	اگست ۱۹۶۷ء
تعداد اشاعت	ایک ہزار
مطبع	نامی پریس لاہور
ناشر ؛	مکتبۃ الاخوان لاہور

○

حالیہ جنگ میں
عربوں کو جہاں وقتی طور پر شکست ہوئی
ہے وہاں اِنہیں اس سے بہت بڑا فائدہ بھی ہوا
ہے یعنی عرب مُتحد ہوگئے۔ عربوں کے اس اتحاد کا سہرہ
بھی بلاشبہ شاہ حُسین کے سر ہے۔ اُنہوں نے ماضی کی تمام
تلخیوں اور عداوتوں کو فراموش کر کے صدر ناصر
سے مُلاقات میں پہل کی۔

پاکستان اور اردن کی دوستی

آزمائش کی کسوٹی پر پوری اُتر چکی ہے ستمبر ۶۵ء
میں جب بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا تھا تو اُردن نے
نہ صرف پاکستان کی مقدور بھر مادی و اخلاقی امداد
کرنے کی کوشش کی تھی بلکہ سلامتی کونسل میں پاکستان
کے مؤقف کی بھرپور حمایت کی تھی اس لیے پاکستانیوں
کا فرض ہے کہ اس آڑے وقت میں شاہ حسین
کی ہر ممکن مدد کریں ۔

ایک بار ــــــ شاہ حسین سے پوچھا گیا

آپ کو کئی خطروں سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ کیا

آپ خطرے کے وقت خوف محسوس نہیں

کرتے؟ شاہ حسین نے جواب دیا:

"میں خدا تعالیٰ کے سوا

کسی سے نہیں ڈرتا"

شاہ حسین جب ۱۶ برس کے تھے تو اپنے دادا اور سلطنت اردن کے بانی شاہ عبداللہ کے ساتھ مسجد عمرؓ میں نماز ادا کرنے گئے۔ شاہ نے ذاتی محافظ مسجد سے باہر روک دیئے۔ جونہی وہ مسجد میں داخل ہوئے ایک شخص نے ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ شاہ عبداللہ شدید زخمی ہو کر گر پڑے۔ ایک گولی شاہ حسین کے سینے پر آویزاں تمغے سے ٹکرائی اور پھسلتی ہوئی نکل گئی۔ وہ بال بال بچ گئے۔ یہ واقعہ ۲۰ جولائی ۱۹۵۱ء کو پیش آیا۔



"میں
خدا
کے
سوا
کسی
سے
خوف
نہیں
کھاتا"

شاہ حسین


اردن کی ملکہ
منیٰ الحسین

شاہ حسین اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ





ملکہ منیٰ الحسین

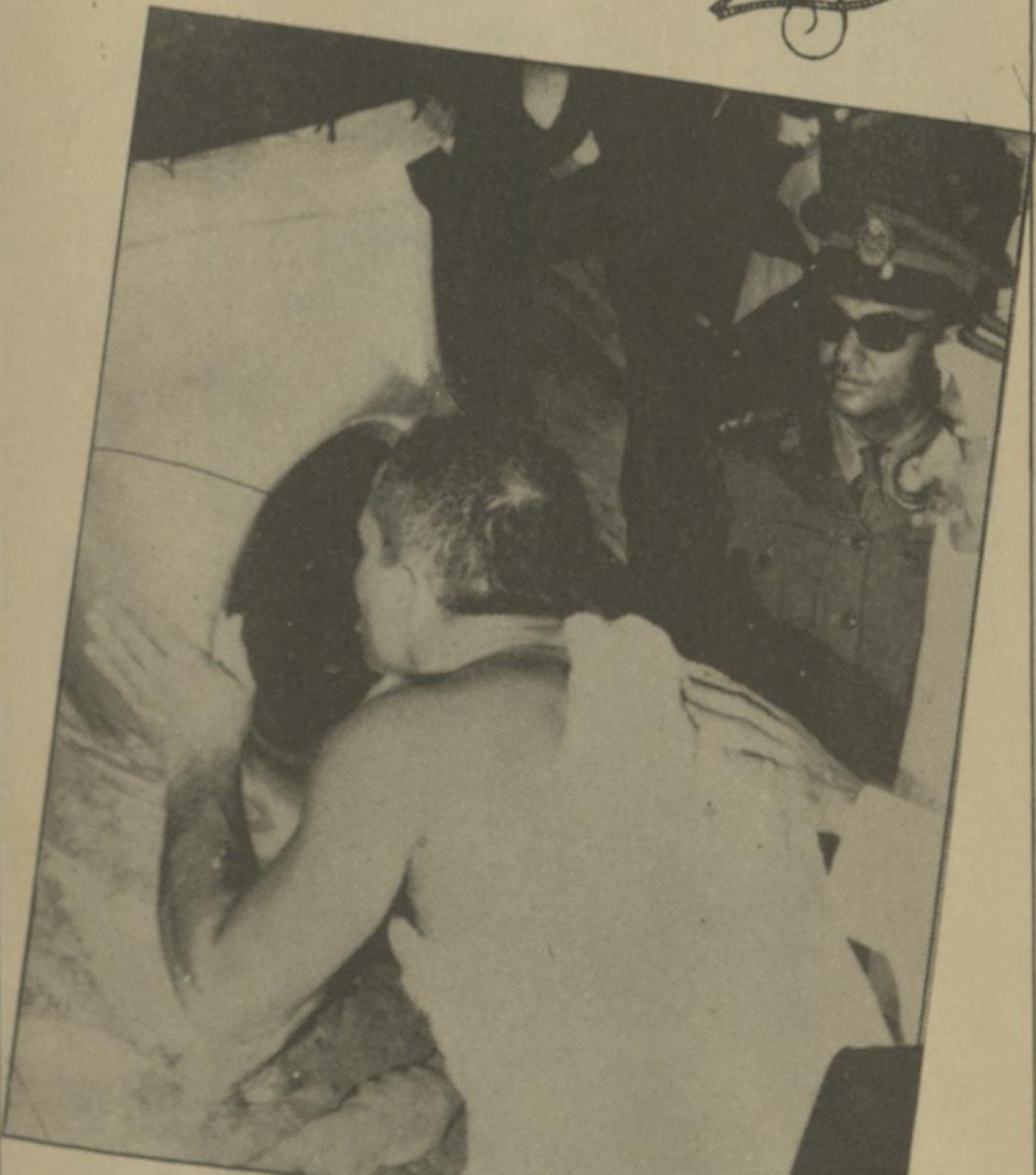


ولیعہد شہزادہ عبداللہ
فرزند شاہ حسین



شاہ حسین ۱۹۵۱ء میں

اپنے والد محترم شاہ طلال کیساتھ

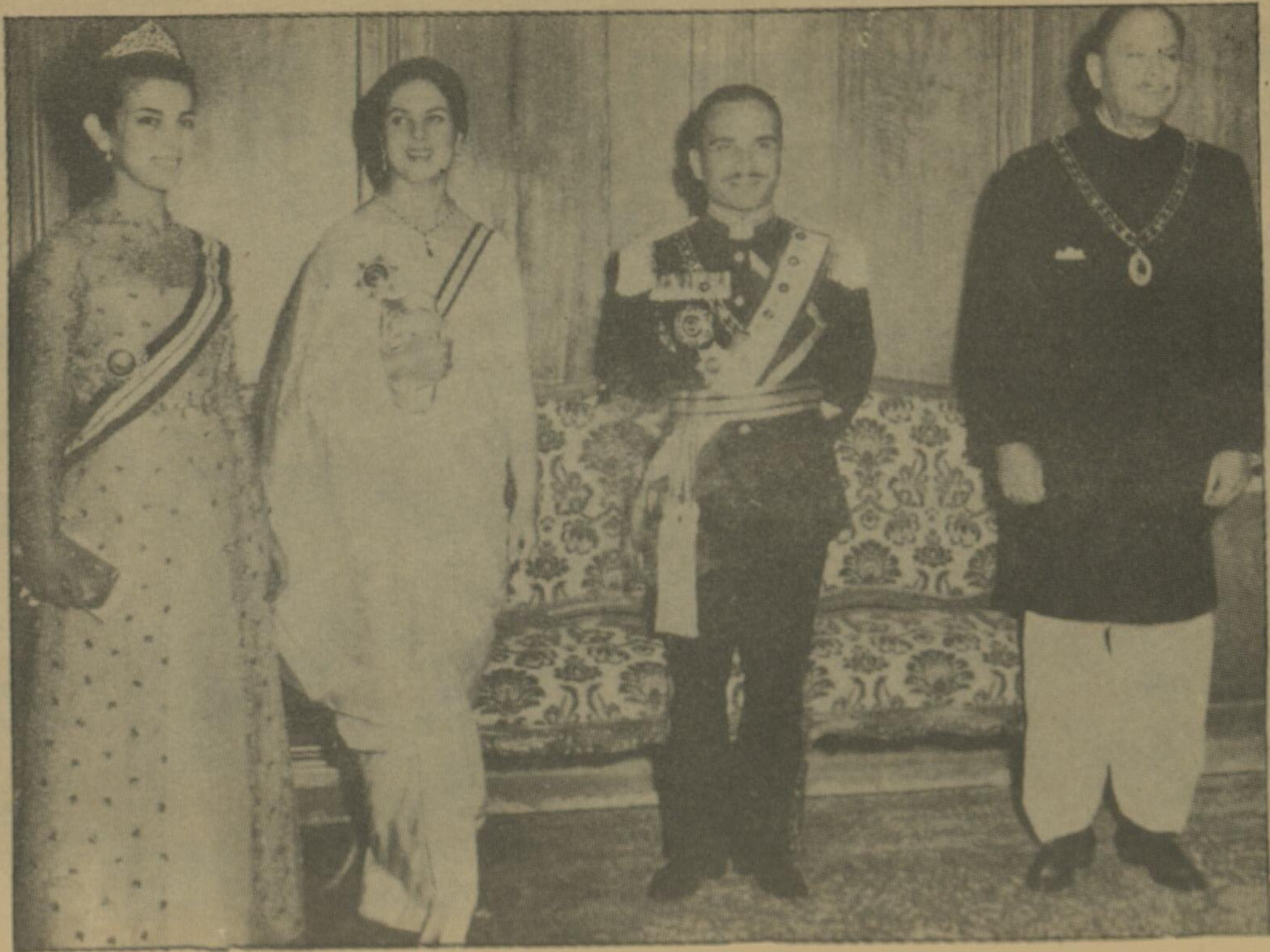


شاہ حسین مکۃ المکرّمہ میں

حجرِ اسود کو بوسہ دے رہے ہیں



صدر ایوب خان مہمانوں کے ساتھ کھڑے ہیں



صدر ایوب اپنے دورۂ اردن کے دوران شاہ حسین کیساتھ



صدرِ پاکستان اردن کے شاہ حسین کے ساتھ محوِ گفتگو



شاہ حسین اے۔ ڈی۔ ایم مصطفیٰ مرحوم کے ساتھ



شاہ حسین اپنے بیٹے شہزادہ فیصل
کا صدر پاکستان سے تعارف کرا
رہے ہیں،



شاہ حسین سابق وزیر اعظم
محمد علی بوگرہ مرحوم اور دیگر
پاکستانی راهنماؤں کیساتھ،



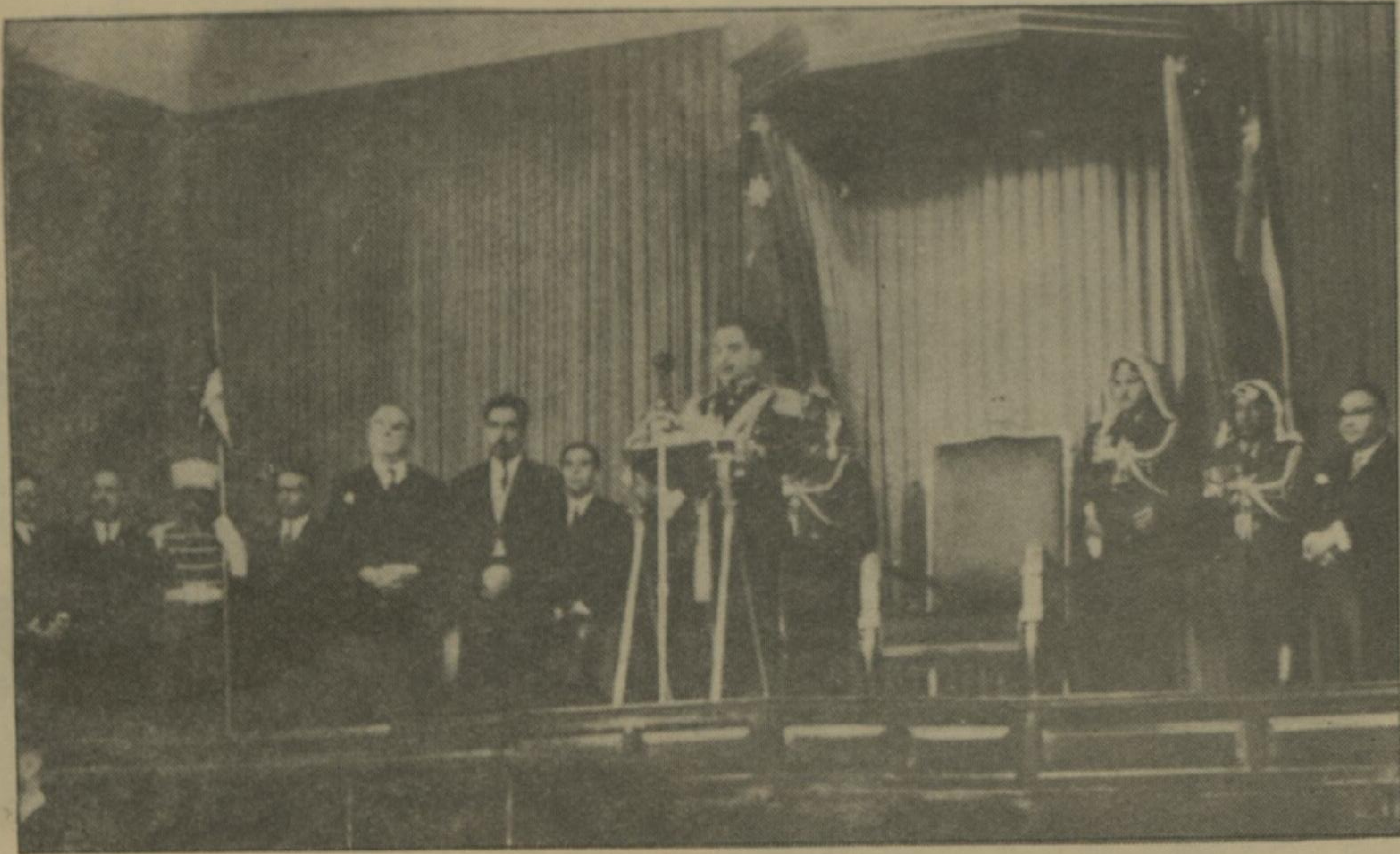


اُوپر :

شاہ حسین قاہرہ میں
صدر جمال عبدالناصر
اور نائب صدر حکیم عامر
کے ساتھ ،

نیچے :

صدر ناصر شاہ حسین کا
استقبال کر رہے ہیں



شاہ حسین اپنی پارلیمنٹ کے اجلاس میں افتتاحی تقریر کر رہے ہیں



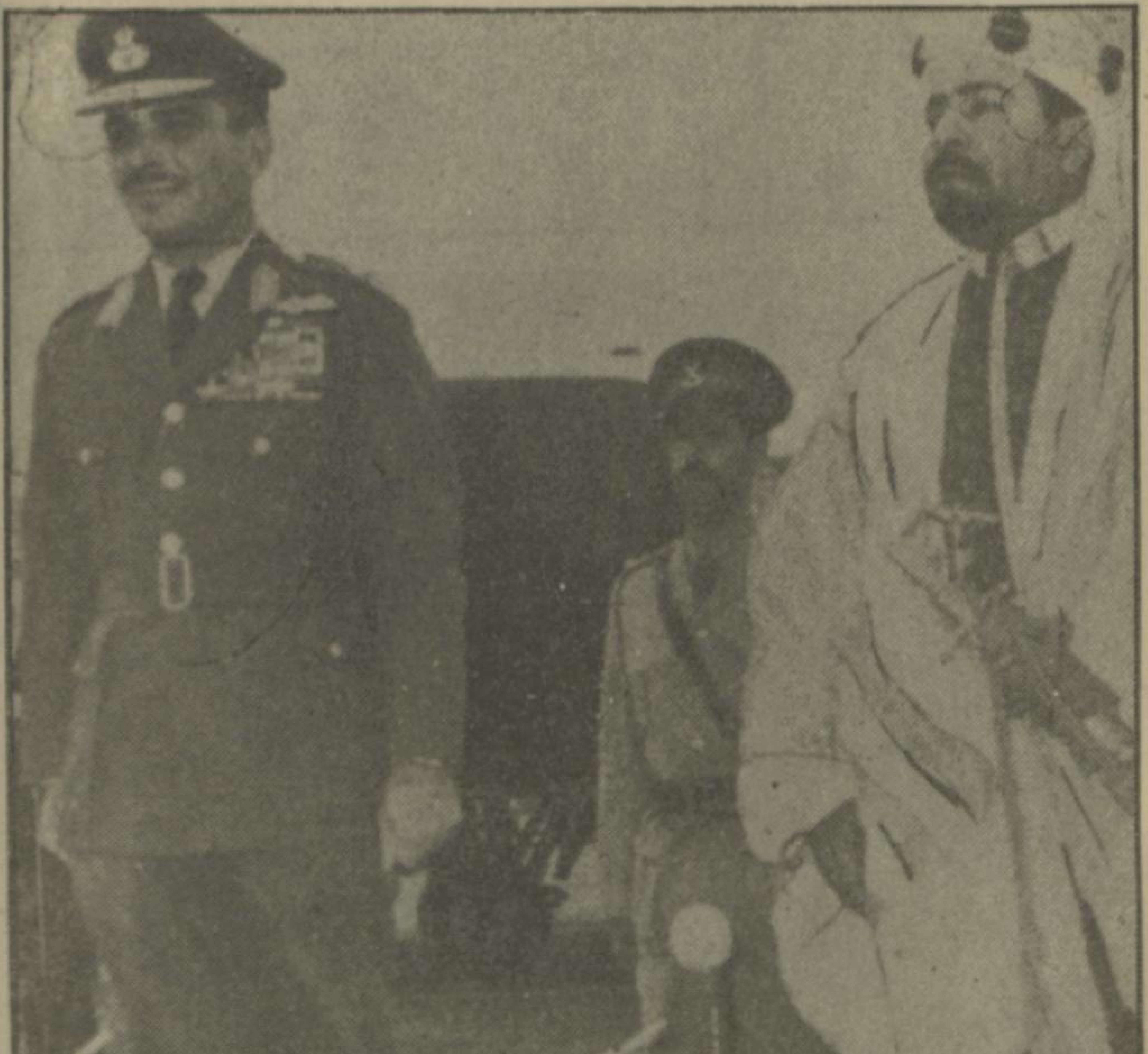
شاہ حسین کویت میں ملٹری پریڈ کی سلامی لے رہے ہیں انکے ہمراہ کویت کے دیگر اعلیٰ حکام ہیں



شاہ حسین پارلیمنٹ کے ہمراہ ایک اجلاس میں



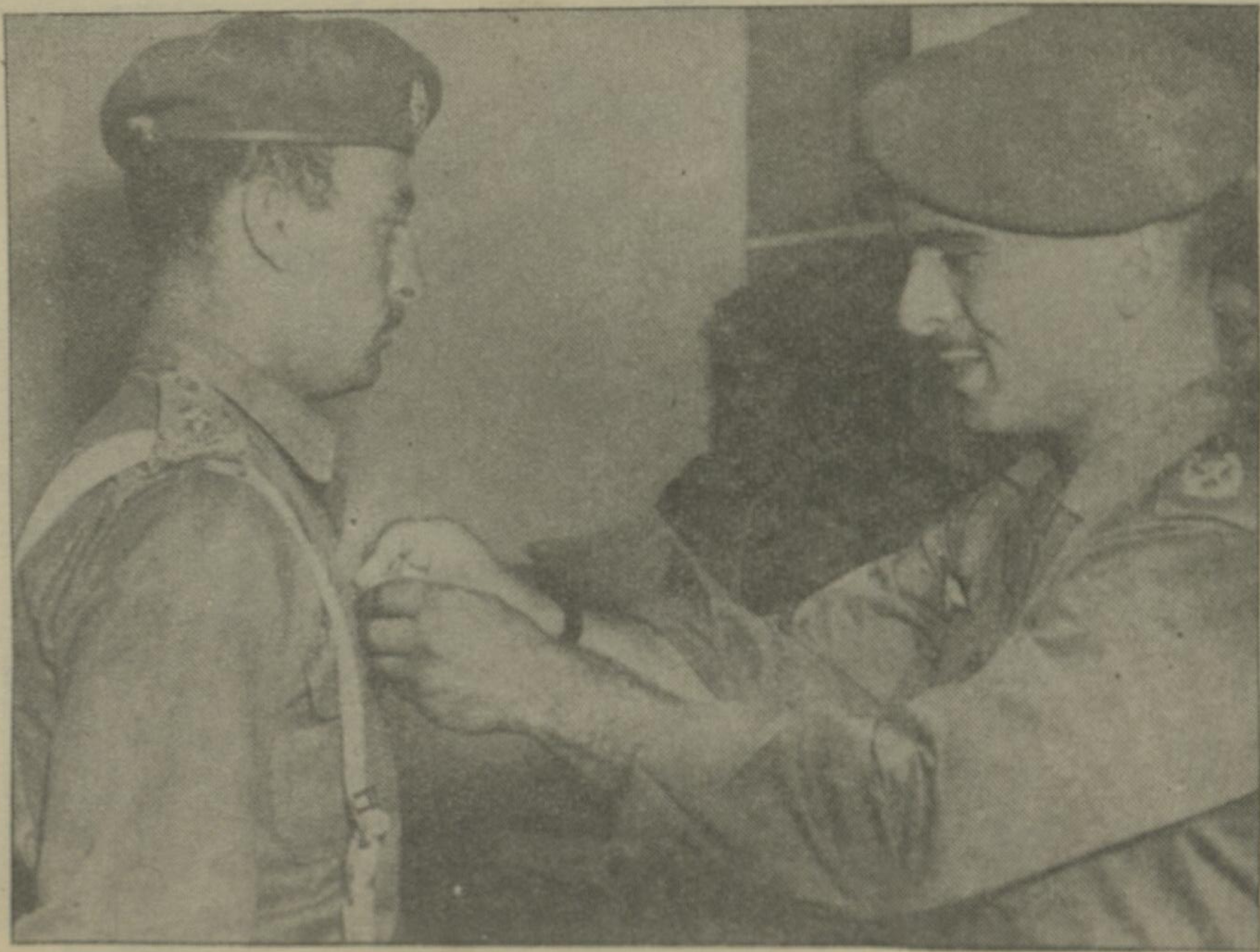
شاہ حسین اور
ملکہ منیٰ الحسین
دوسرے بیٹے
کی پیدائش کے
موقع پر فلسطین
ہسپتال سے
روانگی کے وقت
ہسپتال کے عملہ
کا
شکریہ ادا
کر
رہے ہیں ،



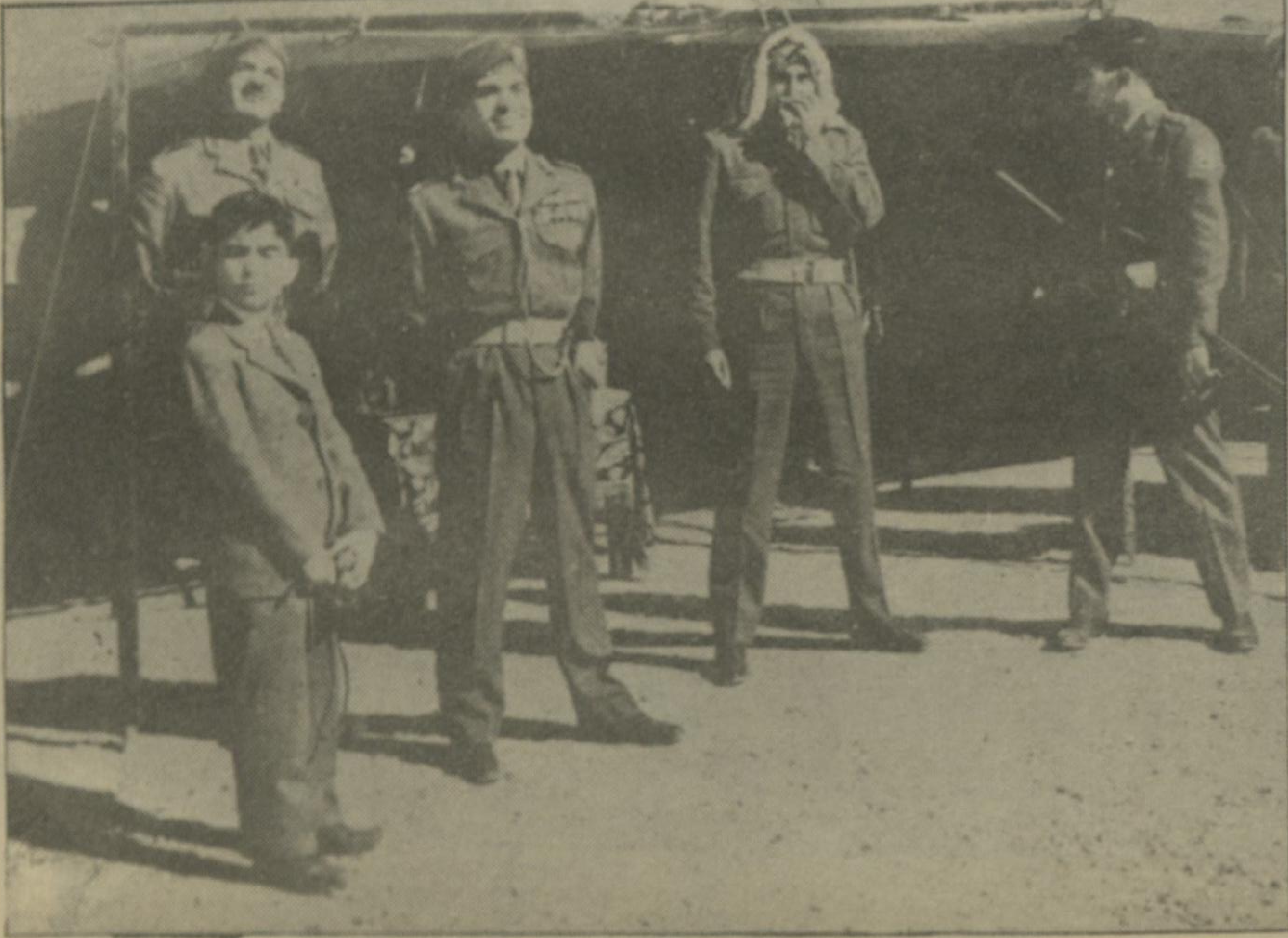
شاہ حسین بحرین کے شیخ عیسیٰ بن سلیمان الخلیفہ کے ساتھ



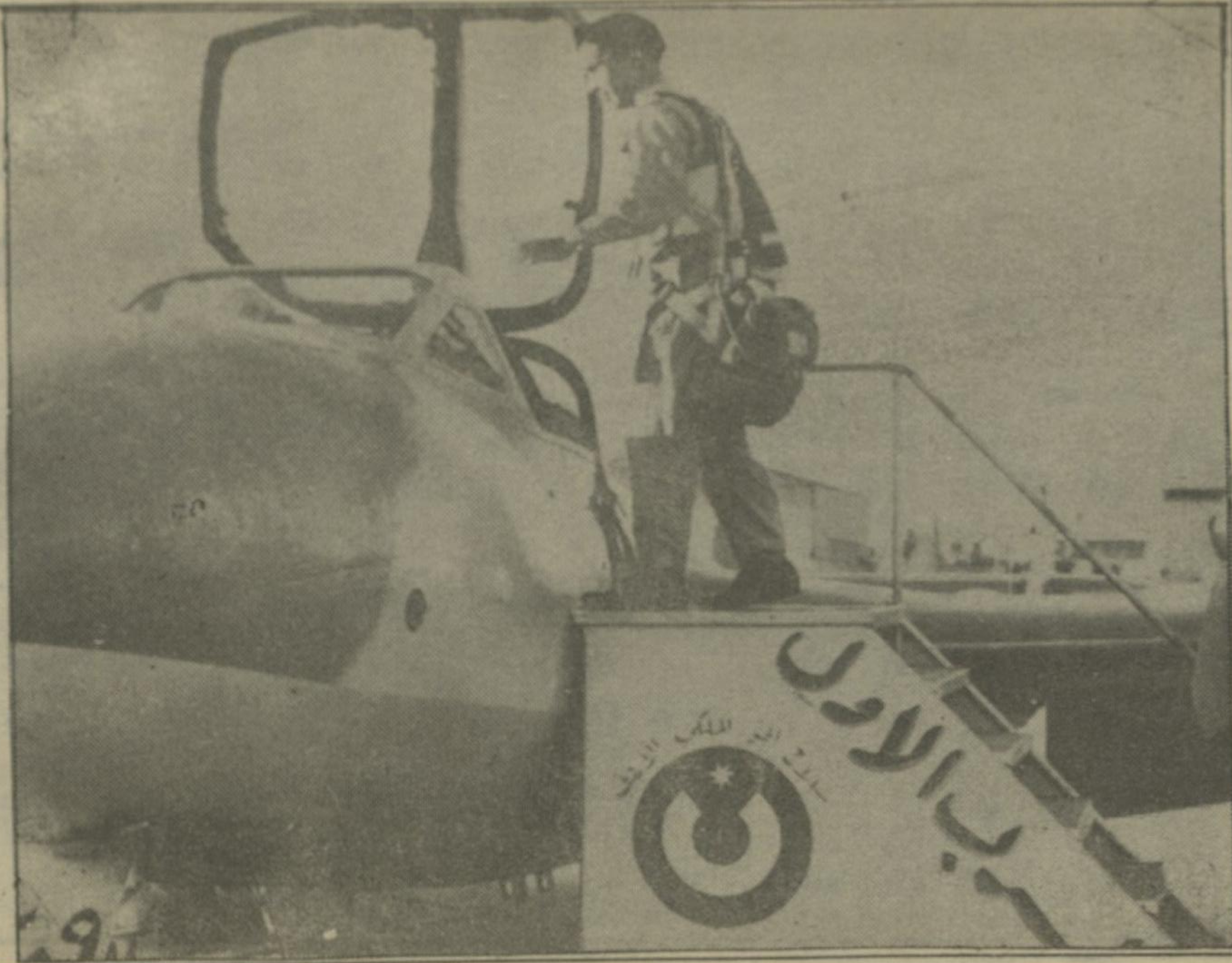
شاہ حسین حکمران ابو دھابی شیخ زید بن سلطان
النھیان کے ساتھ ۔ ابو دھابی سے روانگی کے موقعہ پر



شاہ حسین اپنی مسلح افواج کے بہادر اور دلیر جوانوں کو تمغہ عطا کر رہے ہیں



شاہ حسین اور
شہزادہ حسن،
اردن کی فضائیہ
کی کارکردگی
کا
مظاہرہ دیکھ
رہے ہیں
انکے ساتھ
فضائیہ کے
دیگر حکام کھڑے
ہیں



شاہ حسین

جو خود بہترین پائلٹ

ہیں۔ اُردنی فضائیہ

کے ایک بمبار " ایمپائر "

میں بمباری کا مظاہرہ

کرنے کیلئے سوار

ہو رہے ہیں ،



شاہ حسین ہوا باز کے لباس میں



شاہ حسین
کا
دارالحکومت
عمان



اُردن میں شاہ حسین کا صدر محمّد ایوب خاں

سے گہری محبّت کا اظہار۔



"سوف نصنع
تاريخنا
الجديد
أو سنمحي
في الظلام"

"ہم نئی تاریخ
مرتب کرینگے
یا
تاریکیوں میں
ڈوب جائینگے"

شاہ حسین

آغاجی کے نام

۵ والد محترم خان فیض محمد خان مرحوم


ترکی
بحیرہ روم
لبنان
شام
بیروت
دمشق
حیفہ
تل ابیب
اسرائیل
یروشلم
عمان
اردن
غزہ
پورٹ سعید
العریش
اسماعیلیہ
نہر سویز
پورٹ توفیق
قاہرہ
صحرائے سینائی
عقبہ
ایلات
خلیج سویز
خلیج عقبہ
شرم الشیخ
آبنائے طیران
دریائے نیل
متحدہ عرب جمہوریہ
سعودی عرب

کچھ اِس کتاب کے بارے میں

پاکستان پر بھارت کے جارحانہ حملے کے دوران اور اس کے بعد اقوامِ متحدہ میں اُردن نے جو شاندار کردار ادا کیا تھا اُس کی بدولت شاہ حسین کے لیے پاکستانیوں کی محبت میں دوچند اضافہ ہو گیا تھا اور وہ اس نوجوان، فرمانروا کے بارے میں کچھ جاننا چاہتے تھے۔

پھر عربوں پر اسرائیل کے حالیہ حملے میں شاہ حسین نے جس طرح دنیائے عرب اور اسلام کی خدمت کے لیے پرانے اختلافات کو فراموش کرتے ہوئے مصر اور شام کے ساتھ بھرپور تعاون اور اپنے مغربی دوستوں سے قطع تعلق کیا اس نے ایک بار پھر پاکستانی قوم کا دل موہ لیا ہے۔

اس جنگ میں اُردن کو سب سے زیادہ جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا اسے کُل ساڑھے چھ سو میل لمبے محاذ میں سے چار سو میل لمبے محاذ پر دشمن کے حملے کو روکنا تھا۔ اگرچہ اس کی فوج کو دریائے اردن کے مشرقی کنارے تک پسپا ہونا پڑا اور مغربی کنارے کا علاقہ جس میں بیت المقدّس بھی شامل ہے عیّار دشمن کے قبضے میں چلا گیا۔ تاہم اُردن کے ایک ایک سپاہی نے ثابت کر دیا کہ وہ ہار ماننے کے لیے پیدا نہیں ہوا۔

نپولین نے کہا تھا کہ "شیروں کی اس فوج سے جس کی کمان ایک گیدڑ کے ہاتھ میں ہے، گیدڑوں کی وہ فوج بہتر ہوتی ہے جس کی کمان ایک شیر کر رہا ہو"

اس عظیم جرنیل کا ایک پیغام یہ تھا کہ اصل قوت قیادت ہے اُردن کی فوج بھی شیروں کی ہے اور اس کی قیادت بھی ایک شیر کے ہاتھ میں ہے۔

شیروں کی اس فوج کی تنظیمِ نو کا سہرا شاہ حسین کے سر ہے۔ وہ جب تخت پر بیٹھے اُردن کی فوج عرب یعنی عرب کی بہترین فوج ہونے کے باوجود اس قابل نہ تھی کہ اسرائیل کا مقابلہ کر سکتی۔ انھوں نے اسے انگریز افسروں کی گرفت سے نجات دلائی۔ اسے نئے سرے سے منظم کیا۔ ایک اعلےٰ درجے کی فضائیہ قائم کی اور اردنی نوجوانوں کو شوق دلانے کے لیے خود ہوا باز بنے۔

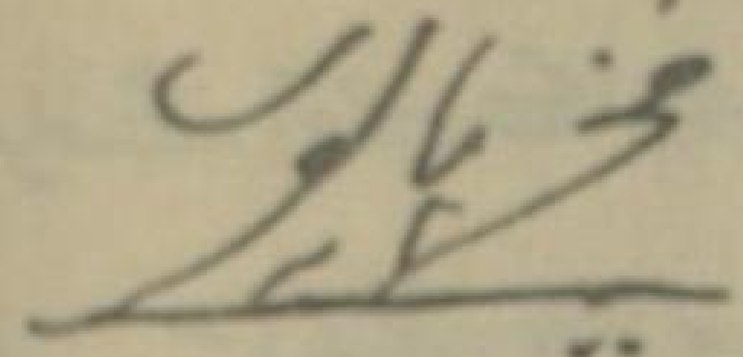
شاہ حسین صحیح معنوں میں جدید اُردن کے معمار اور عالمِ اسلام کے لیے سرمایۂ افتخار ہیں۔ ان کے نظریات سے اختلاف کی گنجائش موجود ہے لیکن ان کی وطن دوستی، اسلام پرستی اور دیانت و فراست غیر مشکوک ہے۔ وہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراتے ہیں۔ یہی ایک مردِ مومن کی شان ہے۔

اُردن کے اس بادشاہ میں بادشاہوں والی کوئی بات نہیں۔ اِن کا رہن سہن سادہ ہے اور ان کی کوئی ذاتی جاگیر نہیں۔ وہ ان اُردن کے باشندوں کو ایک خاندان کے فرد سمجھتے ہیں۔ ان سے محبت کرتے ہیں اور ہمہ وقت ان کی بہتری کے لئے کوشاں رہتے ہیں'

میں نے اس مختصر سی کتاب میں ان کی شخصی زندگی، سیاسی نظریات، قومی کارناموں اور ان کی جرأت و دلیری کا اجمالی ساخاکہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے یہ ایک ایسے شہزادے کی داستان ہے جس کا بچپن عُسرت میں گذرا اور جسے ۱۸ برس سے کم عمر میں بادشاہ بننا پڑا۔ یہ ایک ایسے بادشاہ کی کہانی ہے جو ٹیکسی ڈرائیور کے روپ میں اپنے ملک کی سڑکوں پر پھر کر عوام کے حالات معلوم کیا کرتا تھا۔ لیکن جس کے وزراء اس کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے۔ یہ ایک ایسی شخصیت کی سرگذشت ہے جس سے پیار کیا جا سکتا ہے، نفرت نہیں۔

یہ کتاب نہ تو شاہ حسین کی مفصّل سوانح حیات ہے اور نہ اُردن کے

ایک دور کی سیاسی تاریخ ہے بلکہ اس شخص کو سمجھنے کی ایک کوشش ہے جس کے
لیے ہمارے دِلوں میں اتنی عزّت اور اِتنا پیار ہے جیسے وہ ہم میں سے
ایک ہوں



روزنامہ 'امروز' لاہور

۲۹ جولائی ۱۹۶۷ء

پہلا باب

غریب شہزادہ

شاہ حسین ۱۴ ر نومبر ۱۹۳۵ء کو اپنے دادا شاہ عبداللہ کے عہدِ حکومت میں اردن کے دارالحکومت عمان میں پیدا ہوئے۔ اس وقت ان کے والد شہزادہ طلال ولیعہد تھے۔ حسین کی والدہ زین اپنے زمانے کی خوبصورت ترین عرب خواتین میں شمار ہوتی تھیں اور ان کی دانائی، بصیرت اور جرأت کا شہرہ تھا۔

گو کہ شہزادہ طلال ولیعہد تھے۔ لیکن وہ متمول طبقے کے ایک فرد سے بھی غریب تھے۔ عمان سات پہاڑیوں پر آباد ہے۔ ان میں سے ایک پر شہزادہ طلال کے پانچ کمروں پر مختصر سا مکان تھا۔ یہ مکان اتنا چھوٹا تھا کہ اس میں صرف ایک ہی غسلخانہ تھا۔ ولیعہد کو سرکاری خزانے سے صرف ایک ہزار پونڈ سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔ ان کا یہی واحد ذریعۂ آمدن تھا۔ کیونکہ شاہی خاندان کے کسی فرد کی ذاتی جائیداد نہ تھی۔ شہزادہ حسین نے اسی چھوٹے سے مکان میں آنکھ کھولی۔ اور

یہیں بچپن گذارا۔ حسین کے دل و دماغ پر اپنے بچپن کے کٹھن ایام کے نقش اب تک تازہ ہیں۔ اس کے ننھے سے دل کو پہلا صدمہ اس وقت لگا۔ جب اس کی نومولود بہن چل بسی۔ عمان میں کڑاکے کی سردی پڑتی ہے ضروری تھا کہ نومولود شہزادی کے لیے کمرہ گرم رکھنے کا مناسب انتظام ہوتا۔ لیکن ولیعہد شہزادہ طلال کے پاس اتنے پیسے نہ تھے کہ اپنی قرۃ العین کے لیے یہ انتظام کر سکتے۔ اس بچی کو نمونیا ہوا اور وہ چل بسی۔

بچپن کی تنگ دستی کا دوسرا واقعہ جس نے حسین کے دل پر اثر ڈالا چند سال بعد کا ہے۔ عراق میں حسین کے چچا حکمران تھے۔ شہزادہ فیصل (مرحوم) اور حسین ہم عمر تھے۔ اور دونوں میں گہری دوستی تھی۔ شہزادہ حسین ایک بار اپنی والدہ کے ساتھ بغداد گیا۔ فیصل روایتی شہزادوں کی طرح ٹھاٹھ باٹھ سے رہتا تھا۔ اور اُسے زندگی کی تمام آسائشیں حاصل تھیں۔ اس کے پاس طرح طرح کے کھلونے تھے جو حسین نے کبھی دیکھے بھی نہ تھے۔ حسین کو ان میں سے بھالو بہت پسند آیا۔ وہ سارا دن اس سے کھیلتا رہتا۔ حتیٰ کہ رات کو بھی اپنے ساتھ سلاتا۔ چند روزہ قیام کے بعد جب یہ لوگ عمان واپس آئے تو حسین کو بھالو چھٹ جانے کا اتنا غم ہوا کہ وہ کئی دن تک روتا رہا۔ بالآخر اس کی والدہ شہزادی زین بازار گئیں اور ایک ایسا ہی بھالو خرید لائیں۔

ننھے حسین کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ لیکن اس بے چارے کو یہ علم نہ تھا کہ

اس کی والدہ نے اپنا آخری زیور بیچ کر اپنے بچے کی خواہش پوری کی تھی۔

اگلی بار بغداد سے واپسی پر فیصل نے حسین کو ایک دمکتا ہوا ولایتی سائیکل تحفے کے طور پر دیا۔ غریب شہزادے کے لیے یہ بہت کچھ تھا۔ اور وہ اسے جان سے عزیز رکھتا تھا۔ وہ صبح اٹھتے ہی اس کی صفائی کرتا، اس کا ہینڈل، گھنٹی مڈگارڈ سب کو رگڑ رگڑ کر چمکاتا اور اس کی خوب صفائی کرتا۔ وہ اس پر سوار ہو کر نکلتا تو یوں محسوس کرتا جیسے وہ دنیا کا امیر ترین لڑکا ہے۔ لیکن یہ سائیکل بھی زیادہ دیر اس کے پاس نہ رہ سکا۔ شہزادہ طلال کی مالی حالت اور بگڑ چکی تھی۔ شہزادی زین کا سارا زیور اور گھر کا قیمتی سامان بک چکا تھا۔ ایک روز شہزادی ننھے کے پاس آئیں اور کہنے لگیں۔

"مجھے پتہ ہے کہ تمہیں اس بات کا افسوس ضرور ہو گا۔ لیکن حالات اتنے خراب ہو گئے ہیں کہ ہمیں گھر کی چند اور چیزیں بیچنا پڑیں گی۔ ان میں تمہارا سائیکل بھی ہے۔"

حسین کو یہ سائیکل بہت پسند تھا اور وہ اس سے کسی قیمت پر بھی علیحدہ ہونا گوارا نہ کر سکتا تھا۔ اس نے رو رو کر برا حال کر لیا۔ لیکن والدین بھی مجبور تھے۔ وہ اپنے بچے کی یہ خواہش پوری نہ کر سکے اور اگلے روز یہ سائیکل پانچ پونڈ کے عوض بیچ دیا گیا۔ تاکہ گھر کے اخراجات پورے ہو سکیں۔

اس وقت ملکہ زین نے اپنے بچے کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا تھا۔

حُسین! زندہ رہنے کے لیے مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے بہادر بنو۔ آج تم سے یہ سائیکل چھن رہا ہے۔ تو کل تمہارے پاس شاندار کاریں ہوں گی۔ بہادر بن کر دکھاؤ بیٹے!"

حسین نے بہادر بن کر دکھایا، آج وہ بادشاہ ہے اور کاروں ہی نہیں ہوائی جہازوں کا مالک ہے۔ لیکن وہ اپنے اس سائیکل کو آج تک نہیں بھول سکا جو محض غربت کی وجہ سے اس سے چھین لیا گیا تھا۔

غربت کے باوجود حسین کو تعلیم اعلےٰ درجے کے سکولوں میں ملی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے دادا شاہ عبداللہ اپنے پوتے کی فیس خود ادا کرتے تھے۔ اگرچہ خود بادشاہ کا ذاتی وظیفہ کچھ زیادہ نہ تھا تاہم وہ اپنے پوتے کے تعلیمی اخراجات کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور پس انداز کر لیتے تھے۔

شہزادہ حسین نے ابتدائی تعلیم عمان اور سکندریہ کے سات سکولوں میں اور گھر پر معلمین سے پائی۔ شاہ عبداللہ شہزادہ حسین کی تعلیم و تربیت میں ذاتی دلچسپی لیتے تھے۔ اور بعض اوقات یہ دلچسپی انتہا سے بڑھ جاتی تھی۔ حسین کو ابھی ایک سکول میں داخل ہوئے چند ماہ ہی گذرے ہوتے کہ شاہ عبداللہ فیصلہ کرتے کہ شہزادے کو مذہبی تعلیم ملنی چاہیئے۔ چنانچہ اسے سکول سے اٹھوا لیا جاتا۔ اور گھر پر علماء اُسے اسلامیات پڑھانے لگتے۔ پھر ایک دن دادا جان حکم دیتے کہ حسین کو فلاں سکول میں داخل کیا جائے۔ اس کی عربی بہت کمزور ہے۔" چنانچہ اُسے پھر کسی اور سکول

میں داخل کرا دیا جاتا۔"

شہزادہ حسین نے سکول کے زمانے میں سب سے زیادہ عرصہ اسکندریہ کے وکٹوریہ کالج میں گذارا اور بقول ان کے یہ ان کی زندگی کا سب سے اچھا دور تھا۔ یہ تعلیمی ادارہ جدید طرز پر قائم کیا گیا تھا۔ لیکن اس میں مغربی علوم کے ساتھ ساتھ عربی اور اسلامیات کی تعلیم پر بھی پُورا زور دیا جاتا تھا۔ شہزادہ حسین الصبح اُٹھ کر ٹھنڈے پانی سے غسل کرتا۔ ہوسٹل میں عام لڑکوں کے ساتھ ناشتہ کرتا۔ اُن کے ساتھ پڑھتا۔ شام کو کرکٹ، فٹ بال اور تیغ زنی کے مقابلوں میں حصّہ لیتا اور اس ہال میں سوتا جس میں اس سمیت تیس لڑکے رات گذارتے تھے۔ اس زمانے میں اس کی مالی حالت عام لڑکوں سے اچھّی نہ تھی۔ اسے صرف اتنا جیب خرچ ملتا تھا کہ وہ شام کو بمشکل چند سینڈوچ خرید کر کھا سکے۔ اسی دوران ایک بار اس کی یونیفارم کا کوٹ پھٹ گیا۔ شہزادے کو علم تھا کہ اس کے والدین اُسے نیا کوٹ نہیں دے سکیں گے۔ چنانچہ اس نے اپنے ایک ہم جماعت سے سوئی دھاگہ ادھار لیا اور خود ہی کوٹ میں پیوند لگایا۔

ان حالات کا ایک فائدہ یہ پہنچا کہ کم عمری میں شہزادہ حسین کو ایک ایک پائی پر نظر رکھنے کی عادت پڑ گئی۔ جس کی بدولت بادشاہ بننے کے بعد انہیں اپنے ملک کی مالیات پر کڑی نظر رکھنے میں آسانی رہی۔

حسین نے وکٹوریہ کالج میں دو سال کا عرصہ گذارا۔ اس دوران اس نے

سکول کے نصاب کے علاوہ عربی اور اسلامیات کی تعلیم اور شمشیر زنی کی تربیت بھی حاصل کی۔ شاہ عبد اللہ جب بھی اس کے سکول کے نتائج کا جائزہ لیتے تو سب سے پہلے شمشیر زنی میں حاصل کردہ نمبر دیکھتے۔ اس کالج میں قیام کے دوران حسین نے شمشیر زنی میں ایک تمغہ اور ایک سند حاصل کی۔ شاہ عبد اللہ اتنے خوش ہوئے کہ انہوں نے شہزادے کو فوج میں اعزازی کیپٹن کا عہدہ دے دیا۔

شاہ عبد اللہ کی زندگی کے آخری دو سالوں میں جب شہزادہ حسین پندرہ سولہ سال کے تھے۔ وہ ان کے زیادہ قریب رہے۔ مرتے دم تک ان کا یہ خیال تھا کہ وہ دن تک عربوں کی تحریکِ آزادی کے قائد رہے۔ لیکن انہیں مکمل کامیابی سے محروم رکھا گیا۔ شاہ عبد اللہ سپاہی نہ تھے۔ وہ بلند پایہ کے مدبر بھی تھے۔ وہ عالم تھے شعر و شاعری کا مطالعہ کرتے اور خود شعر کہتے تھے۔ وہ شطرنج کے ماہر کھلاڑی تھے اور ایک دن شہزادہ حسین ایک مشورہ لینے معمول سے پہلے ان کے کمرے میں داخل ہوئے۔ تو ان سائنٹیفک آلات کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ جن سے وہ رات گئے تک تجربات کرتے رہتے تھے۔ ان کے کمرے میں سائنس کی کتابوں کے ڈھیر تھے۔

شاہ حسین کے والد سابق شاہ طلال اپنے باپ سے قطعی مختلف تھے۔ وہ نرم دل، شریف الطبع اور بہت پیارے انسان تھے۔ وہ ایماندار تھے۔ اور رعایا کا ایک ایک فرد انہیں چاہتا تھا۔ صرف بیماری کے باعث وہ زیادہ عرصے حکومت

نہ کر سکے۔ انہوں نے جتنی دیر حکومت کی اس میں وہ مصر، سعودی عرب اور اردن کے بگڑے ہوئے تعلقات کو سنوارنے میں کامیاب رہے۔ اردن کے نئے آئین کی تشکیل بھی زیادہ تر انہی کا کام ہے۔

ان باپ بیٹے میں کبھی نہ بنیھ سکی۔ وہ دونوں الگ الگ دور کی نمائندگی کرتے تھے۔ اور موقع پرست لوگ ان کے اختلافات کو ہوا دیتے رہے۔ سب سے افسوسناک بات یہ کہ شاہ عبداللہ سوائے آخری دنوں کے اس بات کا احساس نہ کر سکے۔ کہ شہزادہ طلال کس حد تک بیمار ہیں۔ وہ یہ ماننے پر تیار نہ تھے کہ ایک شخص جو کبھی تو شریف الطبع اور صحیح الدماغ ہوتا تھا اور دوسرے لمحے بیمار، ایک مشکل انسان سے کچھ زیادہ ہو سکتا تھا۔ خاندان کے باقی افراد کو طلال کی بیماری کا احساس تھا۔ اور بڑی محبت سے اُن کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ لیکن شاہ عبداللہ جنہوں نے ایک سپاہی کی زندگی گذاری تھی۔ اپنے بیٹے کو صرف باہر سے دیکھتے تھے۔ اس کے اندر نہیں جھانکتے تھے۔

وُہ خود اتنے صحت مند اور قوی تھے کہ وہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتے تھے۔ کہ بیماری کیا ہوتی ہے۔ انہوں نے ہمیشہ ایک بہادر بدو بیٹے کی خواہش کی تھی جو انقلاب عرب کی عظیم روایات پوری کر سکتا۔ وہ اپنے اس خوابوں کے شہزادے کی جگہ ایک معذور کو قبول کرنے پر تیار نہ تھے۔ اُن کی زندگی کی یہ بدترین ناکامی تھی۔ شاہ عبداللہ کی دُوسری شادی سے پہلے بھی ایک لڑکا تھا۔ لیکن وُہ اس سے بھی مطمئن نہ

تھے۔ ایک بار انہوں نے انتہائی دکھ بھرے لہجے میں کہا تھا:۔

"میری زندگی کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ میرا ایک بیٹا بیمار ہے اور دوسرا اس قابل بھی نہیں کہ کسی بحران کے موقع پر استقامت دکھا سکے۔"

اس ناکامی اور مایوسی کا نتیجہ یہ نکلا کہ زندگی کے آخری ایام میں شاہ عبداللہ نے اپنی تمام تر توجہ اپنے پوتے پر لگانا شروع کر دی۔ بیٹوں سے مایوس ہونے کے بعد انہوں نے پوتے کو بیٹا بنا لیا تھا۔ وہ حسین کی تعلیم و تربیت میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔ شہزادہ حسین چھ ساڑھے چھ بجے بیدار ہو کر ان کے محل میں پہنچ جاتا۔ جہاں ایک کمرہ اس کے لیے مخصوص تھا۔ وہ خود اس سے سبق شروع کراتے اور پھر استاد کے سپرد کر کے اپنے دفاتر میں چلے جاتے۔ کبھی کبھی وہ اچانک وارد ہو جاتے اور سکول انسپکٹر کی طرح شہزادے اور اس کے استاد سے سوال کرتے۔ دادا پوتا ساڑھے آٹھ بجے ناشتہ کرتے جو بالعموم بدوؤں کے قہوے اور چند توسوں پر مشتمل ہوتا۔ لیکن اس کے ساتھ مکھن یا جام نہ ہوتا تھا۔ شاہ عبداللہ کا خیال تھا کہ پیٹ آدھا خالی ہو تو کام بہتر ہوتا ہے۔

وہ دفتر میں شہزادہ حسین کو اپنا مترجم بناتے تھے۔ وہ انگریزی سمجھ لیتے تھے لیکن بول نہ سکتے تھے۔ اس کے باوجود اچھے اچھے مترجم ان سے ڈرتے تھے کیونکہ جہاں کہیں کوئی ان کے بولے ہوئے لفظ کا بالکل صحیح انگریزی متبادل

استعمال نہ کرتا وہ فوراً ٹوک دیتے تھے۔

مغرب کے وقت حسین پھر محل میں آجاتا۔ اور رات کا کھانا اُن کے ساتھ کھاتا۔ ان کی باتیں سنتا۔ امراء سے ملاقات کے دوران اُن کے ساتھ رہتا۔ وہ احکامات لکھواتے شطرنج کھیلتے تو حسین انہیں دیکھتا رہتا۔ اور جب رات کافی گذر جاتی۔ ننھے شہزادے کی پلکیں بوجھل ہو جاتیں تو وہ کہتے: "بیٹے اب گھر جاؤ اور کل کے کام کی تیاری کے لیئے آرام کرو۔"

وُہ ہر جگہ ننھے شہزادے کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ انہوں نے ہی اسے اپنے عوام کے دِل کی بات جاننے کا طریقہ سکھایا۔ اور انہوں نے ہی دُنیائے عرب کے رموز سے آگاہ کیا۔ انہوں نے اُسے شاہی آداب سکھائے اور چونکہ وہ ایک مایوس آدمی تھے۔ جنہیں انگریزوں نے فریب دیا تھا۔ اس لیئے انہوں نے شہزادہ حسین کے اندر کامیابی یا ناکامی دونوں صورتوں سے مصالحت کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی۔

شاہ عبداللہ نسوار کے عادی تھے۔ ایک روز وہ اپنی ڈبیہ باہر چھوڑ آئے حسین اٹھا کر لایا تو وہ بچے کا اشتیاق بھانپ گئے۔ انہوں نے کہا: "آزما کر دیکھ لو کیسی ہوتی ہے۔" اس کے ساتھ ہی انہوں نے چٹکی بھر نسوار ناک میں رکھ لی۔ ننھے حسین کو کیا معلوم تھا کہ نسوار کیا ہوتی ہے۔ اس نے تقریباً آدھ ڈبیہ خالی کر دی۔ اس کے بعد ایک گھنٹے تک اُسے چھینکیں آتی رہیں۔ اور ایک گھنٹے

تک شاہ حسین کی ہنسی نہ رک سکی۔

حسین ان سے ڈرتا نہ تھا۔ اُن سے پیار کرتا تھا۔ اس کے باوجود ایک بات اس نے انہیں نہ بتائی تھی۔ وہ ابھی پندرہ برس کا تھا کہ کار چلانا سیکھ لی تھی۔ ایک رات کھانا کھانے کے بعد اس نے اجازت چاہی۔ کمرے کا دروازہ بند کیا اور کار میں آبیٹھا۔ ابھی کار چلانے لگا تھا۔ شاہ عبداللہ خلافِ معمول باہر نکل آئے۔ حسین کا خون خشک ہو گیا۔ وہ کار سے باہر نکلا اور ان کے پاس گیا۔ انہوں نے پوچھا "گھر جا رہے ہو؟"

"جی جناب!" حسین نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"اچھی بات ہے۔" شاہ عبداللہ بولے۔ "کار احتیاط سے چلانا۔"

حسین ابھی گھر پہنچا ہی تھا۔ کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ دوسری طرف شاہ عبداللہ تھے۔

"میں صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ تم خیریت سے گھر پہنچ گئے ہو۔ اچھا خدا حافظ!"

یہ تھی وہ ہستی جس نے آج کے ہیرو شاہ حسین کو اتنا کچھ سکھایا۔ اسی ہستی نے ایک دن حسین سے کہا تھا۔

"یاد رکھنا زندگی کی اہم ترین چیز کام کرنے کا عزم ہے۔ مشکلات اور مصائب سے قطع نظر بہترین کوشش کرنے کا عزم۔ یہ عزم ہو تو پھر ہی انسان اپنے ضمیر اور اپنے خدا کے سامنے سرخرو ہو سکتا ہے۔"

دُوسرا باب

شاہ عبداللہ کا قتل

اور

شاہ طلال کی دستبرداری

شہزادہ حسین اسکندریہ کے سکول میں تعطیلات کے دوران وطن واپس آئے تو ملک بحران سے گذر رہا تھا۔ اندرون ملک داخلی انتشار اور بے چینی کا دَور دورہ تھا۔ اُردن اور اس کے بادشاہ کے خلاف ایک سازش تیار کی جا رہی تھی۔ ابھی حسین کو عمان آئے چند روز ہوئے تھے کہ لبنان کے ایک عظیم سیاسی راہنما ریاض الصلح کو جو دورے پر اردن آئے ہوئے تھے گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا ہے۔ مُلک پہلے ہی انتشار کا شکار تھا۔ اس قتل نے حالات اور خراب کر دیئے۔ عرب فطرتاً مہمان نواز ہوتا ہے۔ ایک معزز مہمان کی موت نے اردنی عوام کے جذبات کو مشتعل کر دیا اور بحران شدید سے شدید تر ہو گیا۔

اسی دوران شاہ عبداللہ کے خلاف بھی دبی دبی آوازیں بلند ہونے لگی تھیں بعض عرب حلقے انہیں گذشتہ جنگ فلسطین (۱۹۴۸ء) میں ناکامی کا ذمہ دار قرار دینے لگے تھے۔ اس جنگ میں سب سے زیادہ نقصان اُردن کو پہنچا تھا اور سب سے زیادہ مہاجرین کا بار بھی اسی نے برداشت کیا تھا۔ تاہم ان تمام خدمات اور قربانیوں کے ساتھ اُردن کی قسمت میں ایک اور سانحہ لکھا تھا اور وہ تھا شاہ عبداللہ کا قتل۔

جولائی ۱۹۵۱ء کے تیسرے ہفتے شاہ عبداللہ یروشلم کے دورے پر روانہ ہونے والے تھے۔ کہ امریکی سفیر نے ان سے دورہ ملتوی کرنے کی درخواست کی۔ اس نے بتایا کہ امریکہ کے محکمہ سراغ رسانی کی اطلاع کے مطابق شاہ کے قتل کی سازش تیار کی گئی ہے۔ لیکن شاہ عبداللہ نے جو دلیر اور مومن انسان تھے یہ کہہ کر درخواست مسترد کر دی کہ "میں موت سے نہیں ڈرتا۔ میری زندگی عوام کے لیے ہے۔"

ابتدائی پروگرام کے مطابق شہزادہ حسین نے ساتھ نہ جانا تھا۔ لیکن آخری وقت پر شاہ عبداللہ نے انہیں تیار ہونے کا حکم دے دیا۔

شاہ عبداللہ نے انہی دنوں چند ایسی باتیں کہیں۔ جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ انہیں اپنے انجام کے بارے میں پتہ چل گیا تھا۔ مثلاً موت سے تین دن پہلے انہوں نے اپنے پوتے حسین سے کہا تھا۔

"میرے بچے! تمہیں اس بات کا پورا احساس ہونا چاہیئے۔ کہ ایک

دن تمہیں ذمہ داری سنبھالنا ہوگی۔ وعدہ کرو کہ میں نے جو کچھ کیا ہے تم اس پر پانی نہیں پھیر دگے۔"

یروشلم پہنچنے پر جب چند مصاحبوں نے شاہ سے اُن کے مخالفین کے بارے میں بات کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے کہا۔

"میری خواہش ہے کہ میری موت کا دن آئے تو کوئی مجھے گولی مار کر ہلاک کر دے۔ میں بوڑھا اپاہج بن کر لوگوں پر بوجھ بننا پسند نہیں کرتا۔"

اس سے چند گھنٹے قبل انہوں نے شہزادہ حسین کو عام لباس میں دیکھ کر فوجی وردی پہننے کا حکم دیا تھا۔ بعد ازاں اس فوجی وردی نے اس نوعمر شہزادے کی جان بچائی جو آج اردن کا بادشاہ ہے۔

شاہ عبداللہ نے یروشلم کی مسجد فاروق میں نماز جمعہ ادا کرنی تھی۔ داخلی انتشار اور شاہ کی مخالفت کے باعث یروشلم میں سخت احتیاطی تدابیر اختیار کی گئی تھی۔ اور جن راستوں سے شاہی جلوس گذرنا تھا۔ ان پر عرب لیجن متعین تھی۔ مسجد فاروق اندرون شہر ہے اور اس تک پہنچنے کے لیے پیدل جانا پڑتا ہے۔ یہاں پہرہ اور بھی سخت تھا۔ اور قدم قدم پر سپاہی متعین تھے۔

شاہ عبداللہ نے مسجد کے سامنے گارڈ آف آنرز کا معائنہ کیا۔ اور پھر سیڑھیاں چڑھ کر مسجد کے صدر دروازے کی جانب بڑھے۔ شہزادہ حسین ان سے چند قدم پیچھے ذرا دائیں ہاتھ تھے۔

شاہ عبداللہ نے دروازے کے اندر دو تین قدم ہی اٹھائے ہوں گے کہ دروازے کے پیچھے سے کوئی شخص نمودار ہوا۔ اس نے بندوق سیدھی کی اور گولی چلا دی۔ شاہ عبداللہ فرش پر گر پڑے۔ اس موقع پر بھگدڑ مچ گئی۔ اور ہر کوئی اپنی جان بچانے کی فکر میں بھاگنے کی کوشش کرنے لگا۔ قاتل ابھی تک مسجد میں تھا۔ اور حسین اپنے زخمی دادا سے چند قدم دور تنہا کھڑا تھا۔ اسی اثنا میں مسجد میں چاروں طرف سے گولیاں چلنے لگیں۔ قاتل نے جب کسی اور طرف سے راہ فرار نہ پائی تو وہ پھر صدر دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے میں شہزادہ حسین کھڑے تھے قاتل نے بندوق کا رخ ان کی طرف کیا۔ نشانہ باندھا اور گولی چلا دی۔ لیکن شہزادہ حسین بال بال بچ گئے۔ گولی ان کی فوجی وردی کے ایک تمغے سے پھسلتی ہوئی گذر گئی۔

اتنی دیر میں کسی محافظ کی گولی قاتل کا کام تمام کر چکی تھی۔ شاہ عبداللہ کو زخمی حالت میں ہسپتال لے جایا گیا۔ لیکن وہ جانبر نہ ہو سکے۔

شاہ عبداللہ اپنے پوتے کو ہارو میں داخل کرانا چاہتے تھے۔ لیکن ان کی زندگی کے آخری ایام میں حسین نے انہیں اس بات پر راضی کر لیا تھا کہ وہ وکٹوریہ کالج میں ہی رہیں۔ حسین اس سکول میں دو سال سے پڑھ رہے تھے۔ اور ۱۹۵۱ء میں سکول سرٹیفکیٹ کا امتحان دینے والے تھے۔ لیکن جب یوں اچانک شاہ کو قتل کر دیا گیا۔ تو ہر شے تبدیل ہو گئی۔ عام خیال تھا کہ اردن کے لیے یہ بحران پیدا کرنے میں

مصر کا ہاتھ ہے۔ مصر کے مخالفانہ رویے کے باعث اردن کے ساتھ اس کے تعلقات خراب ہو چکے تھے اور اب ولی عہد کی حیثیت سے مصر جا کر پڑھنا شہزادہ حسین کے لیے ناممکن تھا۔

شاہ طلال ابھی یورپ میں تھے۔ اور جب تک وہ واپس آ کر بادشاہ کے فرائض نہ سنبھالتے۔ ولی عہد کے لیے اردن سے باہر جانے کا سوال پیدا نہ ہوتا تھا۔ ملک میں سیاسی سودے بازیاں ہو رہی تھیں۔ اور سیاست دان اس بحث میں مصروف تھے کہ طلال کو بادشاہ بننا چاہیئے یا نہیں۔ شاہ طلال کے بھائی شریف ناصر اور ان کے لڑکے شریف زید عراق سے واپس آ گئے اور انہوں نے حسین کو ساتھ ملا کر اور ایک سہ رکنی کونسل بنائی۔ ان تینوں نے عوام سے رابطہ قائم کرنے کے لیے ملک کے کونے کونے کا دورہ کیا۔ جب شاہ طلال نے یورپ سے واپس آ کر عنانِ حکومت سنبھالی تو ولی عہد شہزادہ حسین حصول تعلیم کے لیے انگلستان روانہ ہو گئے۔

ہارو میں ابتدائی چند ماہ حسین کے لیے انتہائی کٹھن اور تکلیف دہ تھے۔ وہ اسکندریہ میں عربی میں تمام مضمون پڑھا کرتے تھے۔ لیکن یہاں پر ہر چیز انگریزی میں پڑھائی جاتی تھی۔ اور بقول حسین سوچنا بھی انگریزی میں پڑتا تھا۔" پھر نفسیاتی الجھنیں بھی تھیں جن سے ایک غیر ملکی طالب علم کو انگلستان میں ضرور مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ شروع شروع میں سکول کا کوئی لڑکا شہزادہ حسین سے بات بھی کرنا پسند نہ کرتا تھا۔ وہ تنہا اور اداس پھرتے رہتے۔ یہاں ان کا صرف ایک دوست تھا اور وہ تھے۔

(شاہِ عراق) فیصل مرحوم جو اسی سکول میں زیرِ تعلیم تھے۔ لیکن کچھ عرصے بعد ان کے دوستوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ اور وہ انگریزوں میں گھل مل گئے۔ وہاں خوراک اعلیٰ کوالٹی کے میعار کے مطابق ہونے کے باوجود اس عرب شہزادے کے لیے غیر پسندیدہ تھی۔ کبھی کبھی ان کا دل چاہتا کہ عرب کھانے کھائیں۔ لیکن وہاں تو ہر چیز مختلف تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ برطانیہ میں ان دنوں سخت راشن تھا اور حسین سمیت سب کو ہفتے میں صرف ایک انڈہ ملا کرتا تھا۔

اسی دن کے دلیعہد کو بورڈنگ ہاؤس میں ایک چھوٹا سا کمرہ ملا تھا۔ ان کا پلنگ رسول اور کینوس کا بنا ہوا تھا اور صبح کے وقت دیوار کے ساتھ ٹانگ دیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک کرسی اور ایک الماری تھی جس میں کپڑے اور ٹین کے ڈبوں میں بند کھانے پینے کی چیزیں رکھی جاتی تھیں۔ شہزادے کو خاص اجازت کے تحت اپنی جیب سے ایک چھوٹا قالین اور ایک ڈیسک لانے کی بھی اجازت مل گئی تھی۔ شہزادہ حسین صبح سات بجے بیدار ہو کر ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے کے بعد کمرہ صاف کرتے۔ بوٹ پالش کرتے اور اپنی پتلون کی کریز بناتے۔ حسین کو ہمیشہ سے صفائی کا شوق تھا لیکن جنون کی حد تک نہیں۔

انہی دنوں شاہ طلال کے ایک دوست نے شہزادہ حسین کو ایک کار تحفے میں دی۔ یہ شہزادے کی پہلی کار تھی وہ عمان میں ڈرائیونگ سیکھ چکے تھے۔ لیکن وہاں ہمیشہ کسی نہ کسی کی کار ادھار مانگنا پڑتی تھی۔ اب اس شہزادے کی دیرینہ خواہش

پوری ہو گئی تھی۔ ان کی ماں نے اس کا پیارا سائیکل فروخت کرتے ہوئے کہا تھا
"بیٹے تم کبھی شاندار کاروں کے مالک ہو گے۔" اور آج ایک کار کے مالک بننے
پر کار اس لحاظ سے مسئلہ بن گئی کہ اسے کھڑا کرنے کے لیے سکول میں کوئی
انتظام نہ تھا۔ تاہم انہیں سکول سے ایک میل دور سڈبری کے مقام پر ایک گیراج
مل گیا۔ وہاں موریس رینور سے شاہ حسین کی پہلی ملاقات ہوئی۔ وہ اب ہمک اردن
میں ملازم ہے۔ رینور کو کاروں سے عشق ہے۔ حسین کو بھی کاروں کا شوق جنون کی
حد تک ہے۔ چنانچہ دونوں پہلی ملاقات میں ہی دوست بن گئے۔ وہ اس گیراج
میں حال ہی منیجر مقرر ہوا تھا۔ شہزادہ حسین فارغ پیریڈ میں سکول سے سڈبری پہنچ
جاتے۔ اور دونوں مل کر اس خوبصورت کار کو سجانے میں مصروف ہو جاتے۔

شہزادہ حسین کو دیوانگی کی حد تک کار کا شوق تھا۔ اگر کبھی وہ خود گیراج نہ جا
سکتے تو فون کر کے رینور کو بلا لیتے۔ اور گھنٹوں کار کے بارے میں باتیں کرتے رہتے

جب حسین کو ڈرائیونگ لائسنس ملا تو انہوں نے رینور سے کہا۔ "آپ ماہر
ڈرائیور ہیں۔ کیا آپ واقعی مجھ سے زیادہ تیز چلا سکتے ہیں؟"

رینور کچھ پریشان ہو گیا۔ اس نے کہا۔

"جناب! کچھ کہہ نہیں سکتا۔"

"کیوں نہ آزما دیکھیں" حسین نے کہا"

سڈبری سے کوئی ایک میل دور سڑک کے ایک میل لمبے سیدھے ٹکڑے پر

پہلے حسین نے کار چلائی اور رینیور نے سٹاپ واچ پر وقت نوٹ کیا۔ پھر اس نے چلائی اور حسین نے وقت دیکھا۔ شہزادہ حسین نے مقابلہ جیت لیا تھا۔

ولیعہد شہزادہ حسین ہارو میں کاریں دوڑانے رگبی کھیلنے اور تعلیم حاصل کرنے میں مصروف تھے۔ لیکن اُن کا وطن ابھی تک بحرانی دَور سے گذر رہا تھا۔ شاہ طلال آزاد خیال حکمران تھے اور برطانوی تسلط پسند نہ کرتے تھے۔ وہ اپنے عوام میں مقبول تھے۔ لیکن انگریز انہیں پسند نہ کرتے تھے چنانچہ انہوں نے اُن کی علالت کو بہانہ بنا کر اُن کے خلاف ایک مہم شروع کرا دی۔

شہزادہ حسین ہارو میں تعطیلات کے دوران اپنی والدہ اور بہن بھائیوں سے ملنے سوئیٹزرلینڈ گئے ہوئے تھے کہ ہوٹل کے ایک بیرے نے انہیں ایک خط لا کر دیا۔ شہزادہ حسین نے خط کھولے بغیر ہی اس کا مضمون بھانپ لیا۔ لفافہ پر "ہز رائل ہائی نس پرنس حسین" کی جگہ "ہز میجسٹی کنگ حسین" تحریر تھا۔

دراصل اس سے ایک روز پیشتر یعنی ۱۱ اگست ۱۹۵۲ء کو اُردن کی پارلیمنٹ کے دونوں ایوان دس گھنٹے کے غور و خوض کے بعد فیصلہ کر چکے تھے۔ کہ شاہ طلال تخت سے دستبردار ہو جائیں اور ان کی جگہ اُن کے فرزند حسین عنانِ حکومت سنبھالیں۔

اس طرح سترہ سال کی عمر میں حسین کے کندھوں پر مملکت ہاشمیہ کے انتظام و انصرام کا بوجھ آن پڑا۔ حسین ایک شہزادے کی حیثیت سے اسکندریہ سے عمان واپس آئے تھے۔ پھر ایک ولیعہد کی حیثیت میں عمان سے یورپ گئے تھے۔ اور اب ایک بادشاہ کی حیثیت سے عمان آ گئے تھے۔

تیسرا باب

کمسن بادشاہ

سترہ سالہ شاہ حسین اپنے وطن پہنچے تو ہوائی اڈے پہ اور پھر محل تک تمام راستے میں ان کا فقید المثال استقبال کیا گیا۔ اردن کے عوام کو اپنے نئے بادشاہ سے محبت بھی تھی اور ہمدردی بھی۔ انہیں احساس تھا کہ ایک کم عمر شہزادے کو حالات نے بادشاہ بنا دیا ہے۔ اور ابھی اس کے کھیلنے کے دن ختم نہیں ہوئے کہ اس کے کندھوں پر ایک سلطنت کا بوجھ آن پڑا ہے۔ استقبال اتنا والہانہ تھا کہ ہجوم نے حفاظتی انتظامات کو درہم برہم کر دیا، جوشیلے نوجوان "حسین زندہ باد" کے نعرے لگاتے شاہی کار پر چڑھ گئے۔

اردن کے آئین کے مطابق اگر فرمانروا اٹھارہ سال سے کم عمر کا ہو تو ایک ایجنسی کونسل حکومت کرتی ہے۔ شاہ حسین ابھی قمری سال کے حساب سے بھی

اٹھارہ برس کے نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ چند ماہ تک وہ برائے نام بادشاہ رہے اس عرصے میں انہوں نے رموز مملکت کا بغور مطالعہ کیا اور اپنی مستقبل کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے اس مختصر مدت کو غنیمت سمجھا۔ سب سے پہلے انہوں نے اپنے ملک کے چپے چپے کا دورہ کیا۔ کہیں طیارے کے ذریعے گئے تو کہیں موٹر کار میں اور جہاں ان میں سے کوئی سواری بھی نہ جا سکتی تھی۔ وہاں گھوڑے کی پشت پر انہوں نے ہزاروں لوگوں سے ملاقات کی۔ ان سے بے تکلفانہ گفتگو کی۔ اُن کے مسائل سنے اور ان پر تبادلہ خیالات کیا۔

ابھی تخت نشینی میں چھ ماہ اور تھے۔ اس عرصے کو بہترین طور پر صرف کرنے کی غرض سے وہ اپنے مخلص چچا شریف ناصر اور وزیرِ اعظم کے مشورے سے انگلستان کے مشہور فوجی تربیتی ادارے رائل ملٹری کالج سینڈھرسٹ میں داخل ہو گئے۔ آفیسر کیڈٹ شاہ حسین کے لیے یہ انتظام کیا گیا کہ دو سال کا کورس چھ ماہ میں مکمل کرا دیا جائے۔

شاہ حسین کے سامنے دو تجاویز رکھی گئیں۔ ایک کورس آسان تھا۔ جس زیادہ محنت نہیں کرنا پڑتی تھی۔ دوسرا سخت جس میں انہیں عام کیڈٹوں سے بھی زیادہ کام کرنا ہوتا۔ کیونکہ سینڈھرسٹ میں شاہ کا متوقع قیام باقی افراد کی نسبت صرف ایک چوتھائی تھا۔ شاہ نے دوسرا کورس پسند کیا اور اتنی محنت کی کہ دو ماہ ہی کے بعد انہیں انٹرمیڈیٹ کیڈٹ اور اس کے دو ماہ بعد سینئر کیڈٹ بنا دیا گیا

سینڈہرسٹ میں قیام کے دوران شاہ حسین نے چند عدالتوں میں جا کر برطانوی عدالتی نظام کا بھی مطالعہ کیا۔

شاہ حسین میں قربانی اور ایثار کا جذبہ شروع سے ہے۔ سینڈہرسٹ میں دوبارہ انہوں نے دوسروں کا قصور اپنے سر لے کے اپنے ساتھیوں کو سزا سے بچایا۔ ایک مرتبہ رات کے وقت کسی نے کالج میں وہ الارم بجا دیا جو آتشزدگی کی صورت میں ہی بجایا جاتا ہے۔ کالج میں بھگدڑ مچ گئی۔ اگلی صبح پوری کمپنی کو طلب کر لیا گیا۔ افسر نے حکم دیا کہ جس کیڈٹ نے یہ حرکت کی ہے وہ سامنے آجائے۔ لیکن جب کوئی بھی آگے نہ بڑھا تو اس نے پوری کمپنی کو اس وقت تک بیرک میں بند کرنے کا حکم دے دیا۔ جب تک اصل مجرم پیش نہیں کر دیا جاتا۔ پورا دن گذر گیا۔ لیکن کسی نے اقبالِ جرم نہ کیا۔

شاہ حسین اس "قید" سے تنگ آ چکے تھے۔ انہوں نے اس سے نجات حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے افسر کے سامنے جا کر اعتراف کر لیا کہ الارم انہوں نے بجایا تھا۔ افسر کو علم تھا کہ حسین اس رات سینڈہرسٹ میں ہی نہیں تھے۔ بلکہ چھٹی لے کر لندن گئے ہوئے تھے۔ جب اس نے حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ تو حسین نے مودبانہ جواب دیا۔

"جناب من! صرف میں ہی نہیں بہت سے اور لڑکے بھی لندن گئے ہوئے تھے ان پر بھی شک کرنا درست نہیں!"

افسر مسکرایا اور اس نے سب کو معاف کر دیا۔

ایسا ہی ایک اور واقعہ ہوا۔

شاہ حسین کی کار "عوامی گاڑی" کہلاتی تھی۔ کیونکہ تقریباً سبھی کیڈٹ اس میں آتے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ شاہ حسین لندن کے مختلف علاقوں میں کیڈٹوں کو اتارتے پھر رہے تھے۔ کہ ان کے ایک ساتھی نے کار ڈرائیو کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ شاہ کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اتنے میں بارش شروع ہو گئی اور کار پھسل کر سڑک کے کنارے ایک بہت بڑے اشتہاری بورڈ سے جا ٹکرائی۔

شاہ حسین نے گاڑی رکتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ فوراً ڈرائیور کی سیٹ سنبھال لی اور ساتھیوں سے کہہ دیا کہ کوئی پوچھے تو یہی کہنا ہے کہ حسین ڈرائیو کر رہا تھا۔

شاہ حسین عمل سے بھرپور زندگی گذارنے کے عادی ہیں وہ بیکار نہیں بیٹھ سکتے اُن کی پاسنگ آؤٹ پریڈ میں چند دن باقی تھے کہ موٹر سائیکل سے گر کر ان کا بایاں بازو زخمی ہو گیا۔ لیکن انہوں نے کسی کو اس بارے میں نہیں بتایا کہ مبادا انہیں بیمار قرار دے کر پاسنگ آؤٹ پریڈ میں شمولیت سے محروم کر دیا جائے۔ انہوں نے اسی حالت میں پریڈ میں شرکت کی۔ اور پھر اپنے چچا شریف ناصر کی معیت میں انگلستان اور سکاٹ لینڈ کا دورہ کیا۔ بازو کی تکلیف بڑھتی جا رہی تھی۔ حتیٰ کہ ایک دن ڈاکٹر کو بلانا پڑا۔ ڈاکٹر نے بازو پر پلاسٹر لگا دیا اور بتایا کہ یہ ایک ماہ بعد اتارا جائے گا۔ شاہ حسین ایک دو دن تو چپ رہے لیکن کب تک ؟ انہوں نے

ہوٹل کے بیرے سے کہہ کر مالی کے چند اوزار منگوائے اور چچا کی مدد سے پلاسٹر کاٹ ڈالا۔

یہ اور بات ہے کہ ڈاکٹر کی ہدایت پر عمل نہ کرنے کے باعث ان کا پاؤں اب بھی کبھی کبھار تکلیف دینے لگتا ہے۔

چوتھا باب

ٹیکسی ڈرائیور کے بھیس میں

شاہ حسین ابھی سن عیسوی کے حساب سے پورے اٹھارہ برس کے بھی نہیں ہوئے تھے کہ انہوں نے ۲ مئی ۱۹۵۳ء کو اردن کے حکمران کے فرائض سنبھال لیے۔

اسی روز ان کے عم زاد شاہ فیصل نے عراق کی عنانِ حکومت سنبھالی۔

نوعمر شاہ نے پارلیمنٹ کے خاص اجلاس میں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر یہ حلف اٹھایا کہ "میں آئین کی پابندی کروں گا۔ اور عوام کا وفادار رہوں گا۔" اس کے بعد انہوں نے مسجد میں جا کر نماز ادا کی۔ اپنے مرحوم دادا اردن کی ہاشمی سلطنت کے پہلے بادشاہ شاہ عبداللہ کے مزار پر فاتحہ خوانی کی۔ اور پھر اپنی والدہ کی خدمت

میں حاضر ہوئے۔ جنہوں نے حسبِ سابق ان کی حوصلہ افزائی کی اور ذمہ داریوں سے گریز نہ کرنے کی ہدایت کی۔

اس روز سو توپوں کی سلامی سے نئے بادشاہ کا استقبال کیا گیا۔ اردن کے شہروں اور دیہات میں کئی روز جشن منایا جاتا رہا۔ حلفِ وفاداری اٹھانے کے اگلے روز شاہ حسین نے ایک عظیم فوجی پریڈ کی سلامی لی۔ جس میں عرب لیجن کے پانچ ہزار سپاہ، توپوں، بکتر بند گاڑیوں، صحرائی گارڈ کے دستوں، گھڑسوار فوج اور سکولوں کے طلبہ نے حصّہ لیا۔ شاہ حسین نے پریڈ سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"اردن اس رشتے پر نازاں ہے جس میں عظیم عرب قوم کے سب افراد ایک دوسرے سے منسلک رہیں۔ اردن اس عظیم عرب قوم کا ایک حصّہ ہے اور عرب لیجن اس قوم کی ایک فوج۔"

بادشاہ کی زندگی قواعد وضوابط میں گھری رہتی ہے۔ اور اگر وہ صحیح معنوں میں عوام کی خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہو تو عیش وعشرت تو دور کی بات ہے اُسے آرام بھی میسّر نہیں آتا۔ شاہ حسین اپنا دن کس طرح گذارتے ہیں؟ ان کے ایک دن کا پروگرام کچھ اس طرح ہوتا ہے۔

انہوں نے الصبح اُٹھ کر غسل کے بعد ناشتہ کیا۔ اور ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر اپنے محل سے پندرہ میل دور دفتر پہنچے۔ نو بجے سے ساڑھے دس بجے تک تین سفیروں سے باری باری ملاقات کی۔ ساڑھے دس بجے فوج اور فضائیہ کے مسائل

پر غور کرنے کے لیے ایک اعلےٰ سطح کی کانفرنس کی صدارت کی۔ بعد ازاں ریڈیو سٹیشن کے بارے میں ایک اجلاس میں شرکت کی۔ ایک بجے جب ان کے کھانے کا وقت قریب آ رہا تھا۔ تو پروٹوکول چیف نے انہیں یاد دلایا کہ وہ برطانوی یونیورسٹیوں کے چالیس طلبہ سے ملاقات کا وعدہ کر چکے ہیں۔ شاہ نے باری باری ہر ایک سے مصافحہ کیا۔ اور ایک ایک دو دو باتیں کیں۔ کھانے کے وقت نکل چکا تھا۔ اور اب شاہ حسین کابینہ کے اجلاس کی صدارت کر رہے تھے۔ جس میں ملک کے اقتصادی مسائل کا جائزہ لیا جا رہا تھا۔ اجلاس کے بعد کئی ملاقاتیوں کو شرف باریابی بخشا گیا۔ خطوط پر دستخط کیئے گئے۔ اور دستاویزات کا مطالعہ کیا گیا۔ جب تھکے ہارے شاہ حسین باہر نکلے تو اندھیرا پھیل چکا تھا۔ چنانچہ وہ ہیلی کاپٹر کے بجائے کار میں بیٹھ کر گھر آئے۔

شاہ حسین کی کوئی ذاتی جائیداد نہیں۔ وہ عام انسان کی سی سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور ترادہ میاں بیوی روزانہ باری باری ناشتہ بھی خود تیار کرتے ہیں شاہی محل شاہ کی نہیں حکومت کی ملکیت ہے۔ البتہ تین اور محل۔ اگر انہیں محل کہا جا سکے تو شاہی خاندان کی بھی ملکیت ہیں۔ ایک میں شاہ کا دفتر اور ان کی دادی کی جائے رہائش ہے۔ دوسرے میں شاہ کی والدہ اور دوسرے افراد کنبہ رہتے ہیں۔ اور تیسرے میں جو ایک عام دو منزلہ مکان ہے۔ شاہ خود قیام پذیر ہیں۔ وادی اردن میں انہوں نے ایک چھوٹا سا مکان بھی تعمیر کر رکھا ہے جس میں وہ کبھی کبھار موسم سرما کے دوران ایک دو دن کے لیے جاتے ہیں۔ الف لیلیٰ کی کہانیوں اور

یورپ کے بادشاہوں کی داستانوں میں محل کا جو تصور ہے شاہ حسین کا کوئی بھی محل ان پر پورا نہیں اترتا۔

چونکہ شاہ حسین بہت کم سنی میں بادشاہ بنے تھے۔ اس لیے حکام ان کے آنے جانے اور لوگوں سے ملنے جلنے کے بارے میں بہت احتیاط برتتے تھے۔ لیکن شاہ حسین ان پابندیوں کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جب تک عوام میں گھل مل کر ان کے مسائل کو سمجھا نہ جائے ان کے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ اور جب تک کوئی حکمران اپنے عوام کے مسائل حل نہیں کرتا وہ کامیاب فرمانروا نہیں کہلا سکتا۔ چنانچہ شاہ حسین تمام پابندیاں تمام روایات توڑ کر اپنے عوام میں گھل مل گئے۔ وہ شہروں، قصبوں، دیہات، صحرا، ہر جگہ جاتے ہیں۔ بدو قبائلیوں کے ساتھ ان کے خیموں میں راتیں بسر کرتے ہیں۔ وہ وہاں ایک بادشاہ نہیں ہوتے صرف "حسین" ہوتے ہیں۔

شاہ حسین نے ان بدو قبائل کو آباد کرنے اور ان کی خانہ بدوشی ختم کرنے کے لیے کافی کام کیا ہے۔ انہیں کاشت اور رہائش کے لیے اراضی دی گئی ہے۔ اور مکانات تعمیر کرنے کے لیے قرضے کی سہولت۔ بیشتر بدو سبزے اور پانی کی تلاش میں صحراؤں کی خاک چھاننے کے بجائے اب قصبات میں آباد ہو چکے ہیں۔

شاہ حسین اپنے عوام سے اتنے قریب ہیں کہ موجودہ دور کا کوئی بادشاہ

نہیں رہے۔ وہ جب کبھی بدو قبیلے میں جاتے ہیں تو ہر کوئی ان سے ملاقات کر سکتا ہے۔ کسی کو ملازمت کی ضرورت ہوتی ہے تو کوئی اپنے بچے کو سکول میں داخل کرانا چاہتا ہے۔

شاہ حسین نے خلفائے راشدین کی طرح بھیس بدل کر بھی اپنے عوام کے صحیح حالات جاننے کی کوشش کی۔ ایک بار وہ ٹیکسی ڈرائیور کے بھیس میں دو راتوں تک سڑکوں پر پھرتے رہے۔ انہوں نے اپنے اس مشن کو اتنا خفیہ رکھا کہ ان کے محافظوں کو بھی پتہ نہ چل سکا۔

ایک مرتبہ شاہ حسین کار میں کہیں جا رہے تھے۔ ان کے محافظ دستے کی کار سائے کی طرح ان کا تعاقب کر رہی تھی۔ ایک تو شاہ کو یہ بات ناپسند تھی اور دوسرے وہ عوام میں گھل مل جانا چاہتے تھے۔ کاروں کی دوڑ کے شوقین بادشاہ نے ایکسیلیٹر دبایا اور محافظ دستے کی کار کو کہیں پیچھے چھوڑ آئے۔ سامنے سڑک پر ایک بوڑھا سر پر سبزی ترکاری کی گٹھڑی اٹھائے جا رہا تھا۔ اس نے پیچھے سے کار کی آواز سنی تو ٹیکسی سمجھ کر رکنے کا اشارہ کیا۔

شاہ حسین نے کار روک لی۔ بوڑھے دہقان نے کرایہ چکایا۔ اپنا بوجھ پچھلی نشست پر رکھا اور خود شاہ کے برابر بیٹھ گیا۔ شاہ نے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد بادشاہِ وقت کے بارے میں اس کی رائے معلوم کی۔ بوڑھے دہقان نے تعریفوں کے پل باندھ دیئے۔ شاہ حسین نے اسے ٹوکتے ہوئے اس

بات پر شک کا اظہار کیا کہ بادشاہ اتنا ہی اچھا ہے جتنا وہ کہہ رہا ہے۔ یہ سنتے ہی بوڑھا بپھر گیا۔ اس نے اپنی لاٹھی پر گرفت مضبوط کی۔ اور شاہ چین سے لڑنے پر آمادہ ہو گیا۔ اتنے میں محافظ دستے کی کار پہنچ گئی اور گارڈ نے شاہ کو پٹنے سے بچایا۔

پانچواں باب

ازدواجی زندگی

شاہ حسین کی زندگی کا ایک المیہ ان کی پہلی شادی کی ناکامی ہے۔ ان کی شادی ۱۹؍اپریل ۱۹۵۵ء کو ہاشمی خاندان کے ایک معزز سردار عبدالحمید کی صاحبزادی شریفہ دینہ سے ہوئی تھی جو شاہ حسین کی دُور کی رشتہ دار بھی تھیں۔ عبدالحمید قاہرہ میں مقیم تھے۔ شریفہ دینہ شاہ حسین سے چند سال بڑی تھیں اور انہوں نے کیمبرج یونیورسٹی سے ایم اے کی ڈگری لی تھی۔ بظاہر شاہِ اردن کے لیے ان سے بہتر رفیقہ حیات کا انتخاب ممکن نہ تھا۔ ایک ملکہ میں جو اوصاف ہونے چاہیں وہ سب ان میں موجود تھے۔ اور شاہ حسین کو بھی ان سے بے پناہ محبت تھی۔ شہزادی عالیہ کی پیدائش کے بعد ان کی خوشیوں میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

تاہم وہ زیادہ دیر اکٹھے نہ رہ سکے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ مثالی میاں بیوی تھے۔ لیکن ان کا جوڑا ٹھیک نہ تھا۔ دونوں میں اختلافات پیدا ہوئے اور پھر بڑھتے ہی چلے گئے۔ شاہی خاندانوں اور بالخصوص عرب شاہی گھرانوں میں طلاق کا موقع کم ہی آتا ہے۔ لیکن ان دونوں نے فیصلہ کیا کہ لڑ جھگڑ کر نا خوشگوار زندگی گذارنے سے بہتر ہے کہ اس بندھن کو توڑ دیا جائے جس میں دونوں بندھے تھے۔ چنانچہ شادی کے صرف اٹھارہ ماہ بعد وہ علیٰحدہ ہو گئے۔ شہزادی شریفہ اب قاہرہ میں رہتی ہیں۔

(پچھلے دنوں شاہ حسین قاہرہ گئے تو انہوں نے اپنی سابق ملکہ سے بھی ملاقات کی تھی)

پہلی شادی کی ناکامی نے شاہ حسین کی شخصیت اور ان کی زندگی پر گہرا اثر ڈالا۔ ان کے مزاج میں تلخی اور چڑچڑا پن پیدا ہو چلا تھا۔ شاہ حسین اس نتیجے پر پہنچے تھے۔ کہ خوشگوار ازدواجی زندگی گزارنے کے لیے ضروری نہیں کہ ایک بادشاہ کسی شاہی خاندان کی لڑکی سے ہی شادی کرے۔

چنانچہ انہوں نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا تھا۔ کہ اگر کبھی دوبارہ شادی کی تو خواہ کتنی ہی مخالفت کیوں نہ ہو۔ وہ اپنی رفیقۂ حیات کو خود چنیں گے۔ وہ کسی ایسی لڑکی کی تلاش میں تھے جو ان کی ملکہ ہی نہیں شریک حیات ——— دکھ درد کی ساتھی بھی بن سکے۔ چنانچہ انہوں نے دوسری شادی اپنی مرضی سے کی۔ یہ اور بات ہے کہ ان کی توقع کے برعکس کسی بھی حلقے نے اس کی مخالفت نہیں کی۔

ان کی دوسری ملکہ منا الحسین برطانوی نژاد ہیں شادی سے قبل انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کے والد گارڈینر GARDINER اردن کی فوج میں کرنل تھے۔ منا سے شاہ حسین کی پہلی ملاقات شادی سے کوئی ایک سال قبل بحیرہ مردار کے کنارے ایک شاہی دعوت میں ہوئی۔ پہلی ہی ملاقات میں شاہ اس انیس سالہ خوبصورت دوشیزہ کی محبت میں گرفتار نہیں ہوئے۔ شاہ حسین کو ان کی جو عادت سب سے زیادہ پسند آئی وہ یہ تھی کہ انہوں نے شاہ حسین کو وہ اہمیت نہیں دی جو ایک بادشاہ کو ملا کرتی ہے۔ انہوں نے ان سے ایک عام انسان کی طرح بے تکلفانہ بات چیت کی جس میں تصنع یا تکلف کا شائبہ تک نہ تھا۔ شاہ حسین کو پہلی بار ایک ایسی ہستی ملی تھی جو انہیں ایک بادشاہ نہیں ——— ایک دوست سمجھ رہی تھی۔ عمان کی تقریبات میں شاہ حسین اور منا کی رسمی ملاقاتیں جاری رہیں۔ پھر ایک روز شاہ نے انہیں فون کر کے اپنے محل میں فلم دیکھنے کی دعوت دی۔

شاہ آخری فیصلے سے قبل اس دوشیزہ کو قریب سے دیکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے متعدد مرتبہ انہیں اپنے گھر میں فلم شو پر مدعو کیا۔ جہاں شاہ کی والدہ اور دوسرے لوگ بھی موجود ہوتے تھے۔ پھر ہر جمعہ کو وہ ایک کلب میں ملنے لگے۔ وہیں ایک دن منا نے جو ان دنوں ٹونی کہلاتی تھیں شاہ کو اپنے گھر پر چائے پینے کی دعوت دی شاہ مدت سے اس دعوت کے منتظر تھے۔ انہوں نے فوراً قبول کر لی۔

اس دعوت میں بھی مُنا نے شاہ کو بہت متاثر کیا۔ انہوں نے اپنی کسی بات کسی حرکت سے بھی یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ اپنی کم مائیگی پر شرمندہ ہیں۔ مُنا کی والدہ نے اپنے ہاتھ سے سینڈوچ اور چائے تیار کی اور شاہ نے اس گھریلو ماحول اور اپنائیت کی فضا میں شام گزاری۔ اس کے بعد شاہ نے اپنے دِل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ اس برطانوی دوشیزہ کو اپنی رفیقۂ حیات بنائیں گے۔ سب سے پہلے انہوں نے اپنی والدہ کو اعتماد میں لیا۔ انہوں نے فوراً اجازت دے دی۔ بعدازاں انہوں نے مُنا کو رات کے کھانے پر مدعو کیا۔ اور پہلی بار ان سے شادی کے موضوع پر بات کی مُنا کی رضامندی حاصل کرنے کے بعد انہوں نے وزیرِ اعظم کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا۔

شاہ حسین کا خیال تھا کہ ایک غیر ملکی لڑکی سے شادی کرنے کے سوال پر ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا۔ لیکن نہ تو وزیرِ اعظم نے اور نہ عوام سے کسی نے اس پر اعتراض کیا۔ بلکہ ملک بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

شادی کی رسم انتہائی سادگی سے ادا کی گئی۔ تاہم محل سے باہر عمان میں نہیں پورے اردن کے کوچہ و بازار میں جشن کا سا سماں تھا۔ شاہ حسین اور مُنا الحسین ہنی مون پر کہیں نہیں گئے۔ کہ امورِ سلطنت اتنی مہلت ہی نہ دیتے تھے۔ اب مُنا دو بچوں کی ماں بن چکی ہیں۔ یہ چھوٹا سا خوش و خرم گھرانہ عمان سے دس میل دور ایک قصباتی مکان "دارالخیر" میں رہتا ہے۔ سفید پتھر کا بنا ہوا یہ چھوٹا سا دو منزلہ مکان خوشیوں سے لبریز ہے۔ اس میں صرف چار بیڈ روم اور ڈرائنگ روم ہیں

فرنیچر جدید اور آرام دہ ———— مگر شاہانہ نہیں۔ اس مکان کو دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ ایک بادشاہ کی جائے رہائش ہے۔ اس مکان میں صرف دو ہی ملازم ہیں۔ لیکن شہزادی منارالحسین اپنا بیشتر وقت باورچی خانے میں گزارتی ہیں۔ ایک دن وہ ناشتہ تیار کرتی ہیں۔ اور اگلے روز شاہ حسین خود۔

چھٹا باب

اُردنی فضائیہ کے معمّار

شاہ حسین بہت اچھے ہوا باز ہیں۔ اور نہ صرف یہ کہ اپنا جہاز خود اڑاتے ہیں بلکہ جدید لڑاکا اور بمبار طیاروں کی پرواز کا بھی تجربہ رکھتے ہیں۔

ہوا بازی سے ان کو بچپن سے ہی رغبت تھی۔ ابھی انہوں نے اسکندریہ کے سکول میں داخلہ نہیں لیا تھا اور عمان میں ہی تھے تو ان کے کسی ہم عمر کو ٹکٹ جمع کرنے کا شوق تھا۔ تو کسی کو ملک ملک کے سکے اکٹھے کرنے کا۔ کوئی پرندوں کے پر البم میں لگاتا تھا۔ تو کوئی فوٹوگرافی میں اپنا فالتو وقت گزارتا تھا۔ تاہم ننھے حسین کا صرف ایک ہی مشغلہ تھا۔ وہ طیاروں کی تصاویر جمع کرتے تھے۔ کسی اخبار، رسالے یا کتاب میں طیارے کی تصویر دیکھتے فوراً اسے کاٹ لیتے اور پھر شام کو بڑے اہتمام سے اسے

اپنے البم میں لگاتے۔ ان کے البم میں بمبار، لڑاکا اور مسافر بردار ——— ہر قسم کے طیاروں کی تصاویر تھیں۔

شوق کے علاوہ ایک محرک اور بھی تھا جس نے شاہ کو ہوا بازی سیکھنے کی ترغیب دی۔ اردن کی فوج جو ان دنوں عرب لیجن کہلاتی تھی۔ دنیائے عرب کی بہترین فوجوں میں سے ایک تھی۔ لیکن اس کے پاس کوئی فضائیہ نہ تھی۔ اور وہ اپنی میدانی فوج کی مدد کے لیے برطانوی فضائیہ کا دست نگر تھا۔ شاہ حسین کو اس بات کا اچھی طرح احساس تھا کہ جدید زمانے کی جنگ میں بری فوج خواہ کتنی ہی طاقتور کیوں نہ ہو۔ وہ فضائیہ کی مدد کے بغیر غیر مؤثر ہوتی ہے۔

اسرائیل کی طرف سے خطرہ دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔ اور اس کی فضائیہ روز بروز طاقتور ہوتی جا رہی تھی۔ شاہ حسین کو بہت پہلے احساس ہو گیا تھا کہ کسی غیر ملک کی فضائیہ پر تکیہ کرنا درست نہیں۔ کیونکہ سیاسی مصلحت کی بنا پر کسی بھی وقت مدد سے انکار ہو سکتا ہے۔ اور اس دوست ملک کی پالیسی کسی بھی مرحلے پر اور ایسی وجوہ کی بنیاد پر تبدیل ہو سکتی تھی۔ جن کا اردن کو پتہ بھی نہ تھا۔ شاہ نے ان حالات میں فیصلہ کیا کہ اردن کی اپنی فضائیہ ہونی چاہیئے۔

شاہ حسین کے دادا شاہ عبداللہ نے بھی اردن کی فضائیہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن یہ نام کی فضائیہ تھی۔ انہوں نے گنتی کے جو استعمال شدہ طیارے خریدے تھے، وہ اس قابل نہ تھے کہ جنگ میں کام میں لائے جا سکے۔ جس وقت شاہ حسین

تخت نشین ہونے ان کی حکومت ان طیاروں کو فروخت کرنے کے بارے میں غور کر رہی تھی۔

نئے طیارے خریدے جا سکتے تھے۔ لیکن مصیبت یہ تھی کہ اردن کے نوجوان ہوا بازی کی طرف مائل نہ تھے۔ جو نوجوان فوج میں شامل ہونے کے خواہاں تھے۔ وہ ہوائی جہاز کے بجائے جیپ کی سواری پسند کرتے تھے۔ ان حالات میں شاہ نے خود پہل کرنے کا فیصلہ کیا۔ ان کا خیال تھا کہ اگر بادشاہ خود ہوا باز بن جائے تو دوسرے نوجوان اس کی تقلید کریں گے۔ ——— ان کا یہ خیال درست ثابت ہوا

جب شاہ حسین نے اپنے اس ارادے کا اظہار کیا تو ملک کے تمام حلقوں نے اس کی مخالفت کی۔ ملک کی سیاسی اور مذہبی جماعتوں، شاہ کے اپنے خاندان اور دوستوں سب نے ان سے درخواست کی کہ وہ ارادہ بدل دیں۔ درجنوں وفود نے ان سے ملاقات کی اور اپنے شاہ کو اس خطرناک کھیل سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن شاہ حسین اپنے فیصلے پر قائم رہے۔ انہوں نے اپنے ہم وطنوں کو یہ باور کرانے کی پوری کوشش کی کہ ہوا بازی اس وقت تک خطرناک نہیں جب تک احتیاط کا دامن نہ چھوڑا جائے۔ انہیں بار بار اسلام کی اس تعلیم کا حوالہ دینا پڑا کہ اگر موت آ گئی ہو تو اسے کوئی نہیں ٹال سکتا۔

جب مخالفت سرد پڑ گئی تو انہوں نے ہوا بازی کی تربیت لینا شروع کر دی ان کے استاد وہی کرنل جوک ڈالگلیش تھے جنہوں نے انہیں شاہ عبداللہ کے

قتل کے بعد یروشلم سے عمان پہنچایا تھا۔ برطانوی فضائیہ کے اس رنگ کمانڈر کی خدمات اردن نے مستعار لے رکھی تھیں۔

شاہ کی پہلی تربیتی پرواز ایک چھوٹے سے آسٹر طیارے میں ہوئی جسے کرنل ڈیلگلیش اڑا رہے تھے۔ کرنل نے شاہ کو اپنے ارادے سے باز رکھنے کی آخری کوشش کرتے ہوئے ایک گھنٹے کی اس پرواز میں اتنے خطرناک کرتب کیے کہ کوئی اور ہوتا تو کبھی دوبارہ ہوائی جہاز کا نام نہ لیتا۔ جب طیارہ اترا تو شاہ حسین کا چہرہ زرد تھا۔ ان کا دل متلی کر رہا تھا۔ بہرصورت وہ بڑی مشکل سے طیارے سے باہر نکلے انہیں ہر چیز گھومتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ ان کے کانوں میں کسی کی آواز پڑی۔

"عالی جاہ! آپ اگلی پرواز کب پسند فرمائیں گے۔!"

"کل دوپہر" شاہ حسین نے جواب دیا۔

ایک ماہ تک آسٹر میں پرواز کے بعد شاہ کو اس سے طاقتور ڈوو طیارہ میں تربیت دی جانے لگی۔ لیکن ہر مرتبہ ڈیلگلیش ساتھ ہوتا۔ ایک روز پرواز کے دوران ڈیلگلیش شاہ کو کاک پٹ میں چھوڑ کر خود کیبن میں چلا گیا اور شاہ نے اکیلے ہی طیارے کو "لینڈ" بھی کیا۔ لیکن یہ بہرصورت "سولو" پرواز نہ تھی۔ اس دن انہوں نے تن تنہا پرواز کرنے پر اصرار کیا تو ان پر یہ انکشاف ہوا کہ حکام نے ڈیلگلیش اور فضائیہ کے تمام ارکان کو حکم دے رکھا ہے کہ شاہ کو کبھی تنہا پرواز پر نہ جانے دیا جائے۔ شاہ کی طبیعت پر یہ پابندی بہت گراں گزری۔ تاہم انہوں نے یہ مسئلہ بھی اپنے طور

پر حل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس کے لیے انہیں کافی انتظار کرنا پڑا۔

ایک روز شاہ حسین ہوائی اڈے پر پہنچے تو عملے کے تمام ارکان اس طیارے کے اردگرد جمع تھے جو تھوڑی دیر پہلے اترتے ہوئے رن وے سے آگے نکل گیا تھا۔ شاہ کے ڈو کے اردگرد کوئی نہ تھا۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے اس میں سوار ہو گئے اور انجن سٹارٹ کر دیا۔ انجن کی آواز سن کر ایک انجینئر ان کی طرف لپکا لیکن شاہ نے اُسے یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ وہ معاون پائلٹ کو رن وے سے اپنے ساتھ لے لیں گے۔

تھوڑی ہی دیر بعد ان کا طیارہ فضا میں بلند ہو چکا تھا۔ اور ہوائی اڈے کا پورا عملہ کنٹرول ٹاور میں جمع ہو کر شاہ کی واپسی کی دعائیں مانگ رہا تھا۔ شاہ کتنی ہی دیر اس شہر پر پرواز کرتے رہے جس سے انہیں بے پناہ محبت تھی پھر نیچے اتر آئے۔ اس کے بعد کسی نے بھی انہیں تنہا فضا میں جانے سے منع نہیں کیا۔

شاہ نے کئی "سولو" پروازوں کے بعد جدید ترین جیٹ طیارے اڑانے کی بھی تربیت حاصل کی اور آج وہ دُنیا کے بہترین حکمران ہوا باز ہیں۔

ہوا بازی کے میدان میں جیٹ حرفِ آخر ہیں تاہم شاہ حسین نے اس کے بعد ہیلی کاپٹر اڑانا بھی سیکھا ——— اور وہ بھی صرف ڈھائی گھنٹے میں۔

شاہ کے محل کے لان میں ان کا ذاتی ہیلی کاپٹر ہر وقت تیار رکھا ہوتا ہے۔ وہ اس میں اپنے دفتر جاتے ہیں اور اسی میں فوجی چھاؤنیوں، ہوائی اڈوں اور دوسرے اہم مراکز کا اچانک معائنہ کرتے ہیں۔

شاہ کی ہوا بازی کی زندگی میں تین حادثات ہوئے۔ ایک مرتبہ اترتے ہوئے ان کا طیارہ بے قابو ہو گیا تھا۔ دوسری مرتبہ طیارے کے پہیے "جیم" ہو گئے۔ اور تیسری بار شاہی جیٹ طیاروں نے ان کے ڈوے پر حملہ کر دیا تھا۔

ساتواں باب

مگ طیاروں کا حملہ

نومبر ۱۹۵۸ء کے اوائل میں شاہ حسین نے سوئٹزرلینڈ میں اپنی والدہ ملکہ زین اور بچی شہزادی عالیہ کے پاس چند ہفتے کی تعطیل گزارنے کا فیصلہ کیا۔ ۱۴ نومبر کو ان کی سالگرہ تھی اور وہ اس موقعہ پر بھی اپنے گھر والوں میں ہونا چاہتے تھے۔ ۹ نومبر کو شاہ نے ایک مختصر الوداعی تقریر کی۔ اس موقعہ پر تمام ملکوں کے سفیر بھی موجود تھے۔

۱۰ نومبر کی خوشگوار صبح کو شاہ حسین نے اپنے ڈوطیارے کا کنٹرول سنبھالا۔ معاون ہوابازی کی نشست پر ان کے استاد کرنل ڈوڈک ڈیلگلیش تھے۔ جب کہ مسافروں کے کیبن میں ان کے چچا شریف ناصر اور اردنی فضائیہ کے دو ہوا باز

تھے۔ جنہوں نے طیارہ واپس لانا تھا۔ شاہ حسین نے شام اور لبنان پر سے پرواز کرتے ہوئے قبرص میں اترنا تھا جو ان کا پہلا "سٹاپ اوور" تھا۔ وہاں سے انہوں نے ایتھنز اور روم ہوتے ہوئے سوئٹزرلینڈ جانا تھا۔

دو انجنوں والا یہ ڈو طیارہ شاہ حسین کے دادا شاہ عبداللہ کی ملکیت اور اب اردنی فضائیہ کا حصہ تھا۔ شاہ حسین نے اُسے ۹ ہزار فٹ کی بلندی پر لا کر اس کا رُخ شام کی طرف کر دیا۔ شامی سرحد کے پاس پہنچنے کے بعد شاہ نے وائرلیس پر دمشق کے ہوائی اڈے سے رابطہ قائم کیا۔ انہیں اپنے طیارے کے محل وقوع سے آگاہ کیا اور شامی علاقہ پر سے پرواز کی اجازت حاصل کی۔ کچھ وقت کے بعد انہوں نے قاعدے کے مطابق ایک بار پھر اڈے کے حکام کو اپنے طیارے کے محل وقوع اور بلندی سے آگاہ کیا۔

چند منٹ کے بعد ہوائی اڈے کے کنٹرول ٹاور نے خود شاہی طیارے سے رابطہ قائم کر کے بتایا کہ "آپ کو شام کی فضائی حدود میں سے گزرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ آپ کو دمشق کے ہوائی اڈے پر اترنا ہوگا۔"

شاہ حسین نے جواباً کہا کہ "نہیں! ہمیں دمشق کے اڈے پر اترنے کی نہیں بلکہ شام پر سے پرواز کرتے ہوئے قبرص جانے کی اجازت دی گئی ہے۔"

کنٹرول ٹاور نے انتظار کرنے کی ہدایت دے کر سوئچ بند کر دیا۔ شاہ اور ڈیلگیشن کا خیال تھا کہ ضرور کوئی غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے۔ اس لیے انہوں نے

دمشق کی طرف پرواز جاری رکھی۔ اب کٹے پھٹے بادلوں میں سے یہ خوبصورت شہر نظر آنے لگا تھا۔ اتنے میں وائرلیس پر پھر آواز آئی۔

"آپ کو گزرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ آپ کو دمشق کے اڈے پر اترنا ہوگا"

اور اس کے ساتھ ہی انہیں اترنے کے لیے ضروری ہدایات ملنا شروع ہو گئیں۔

شاہ نے یہ کہہ کر کہ

"اگر یہ بات ہے تو ہمیں عمان سے رابطہ پیدا کر کے ہدایات لینا ہوں گی"

اپنے طیارے کا رُخ اپنے دارالحکومت کی طرف کر دیا۔ عمان کے ہوائی اڈے کو صورتِ حال سے آگاہ کیا گیا تو کنٹرول ٹاور نے انہیں عمان واپس آنے کی ہدایت کی۔ شاہ نے ایک بار پھر دمشق سے رابطہ پیدا کیا جہاں سے جہاز کی پوزیشن اور بلندی کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ شاہ حسین نے کہا کہ ہم آپ کی ہدایات کے انتظار میں دمشق کے اوپر چکر کاٹ رہے ہیں۔ ہوائی اڈے کے حکام نے انہیں ایک بار پھر اترنے کا حکم دے دیا۔ لیکن شاہ نے انکار کر دیا۔

شاہ حسین کا طیارہ پہلے ہی اردن کی طرف جا رہا تھا۔ اور شاہ نے اپنے ملک کی سرحد عبور کرنے کے لیے مختصر ترین راستہ منتخب کیا تھا۔ وہ طیارے کی بہت نیچے لے آئے۔ تاکہ راڈر ان کا سراغ نہ لگا سکے۔ اسی وقت ڈو۔ ۲۴ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے پرواز کر رہا تھا۔ جو اس کی انتہائی رفتار تھی۔

جب طیارہ اردنی سرحد کے قریب پہنچا تو متحدہ عرب جمہوریہ کے دو

مگ ۲۱ طیارے مخالف سمت سے آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ دو منٹ بعد انہوں نے بلندی پر پہنچ کر ڈوڈ پر حملہ کر دیا۔ شاہ حسین نے جلدی سے اپنے طیارے کا رُخ بدل کر اسے بچا لیا۔ اب طیارے کا کنٹرول کرنل ڈیلگلیش نے سنبھال لیا تھا۔ اور وہ بار بار رُخ بدل کر اپنے طیارے کو بچا رہے تھے۔ مگ طیارے بلندی پر جاتے۔ نیچے کی طرف رخ کرتے اور باری باری ڈوڈ کا راستہ کاٹتے ہوئے اس کے بالکل قریب سے گذر جاتے۔ ہر مرتبہ ڈوگرتے گرتے بچتا شاہ حسین اور ڈیلگلیش کاک پٹ کی دائیں بائیں کھڑکیوں سے باہر دیکھ رہے تھے۔ جونہی کوئی مگ حملہ کرتا وہ ایک دوسرے کو بتا دیتے۔ مگ طیاروں کے حملوں میں اب تیزی آگئی تھی۔ چنانچہ شاہ نے عمان کے اڈے کو امداد کا پیغام بھیجا۔ لیکن کم بلندی پر پرواز کے باعث یہ پیغام عمان کے وائرلیس تک نہ پہنچ سکا۔

شاہ حسین اور کرنل ڈیلگلیش اپنی اپنی کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھ رہے تھے کہ اچانک سامنے ایک چٹان آگئی۔ طیارہ سیدھا چٹان کی طرف جا رہا تھا۔ ڈیلگلیش نے فوراً کل بدلی۔ طیارہ ڈگمگایا۔ پھر اس کا رخ اوپر کی طرف ہو گیا۔ اور وہ پہاڑی سے صرف چند انچ کے فاصلے پر نکل گیا۔

ادھر مگ طیاروں کے ساتھ لڑائی بھی جاری تھی۔ اور اب وہ باری باری کے بجائے بیک وقت حملے کر رہے تھے۔ دونوں بلند ہوتے اور دائیں

بائیں سے ڈو پر حملہ آور ہوتے۔ ایک بار تو وہ خود ہی ٹکرا تے ٹکرا تے بچے۔

جب شاہ کا ڈو اردنی سرحد پار کر کے کافی اندر تک چلا گیا تو مگ طیاروں نے حملے روک دیئے اور رُخ بدل کر غائب ہو گئے۔

اردن کا خیال ہے کہ متحدہ عرب جمہوریہ کے رہنما عراق کے شاہ فیصل کے قتل کے تین ماہ بعد شاہ حسین کو ہلاک کر کے "دوہری کامیابی" حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اگر شاہ حسین کا طیارہ مار گرایا جاتا تو دنیا یہی سمجھتی کہ ہوابازی کا شوقین نوجوان بادشاہ تیز رفتاری کے شوق میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ یہ تاریخ کا واحد واقعہ ہے۔ کہ کسی سربراہ مملکت کے طیارے پر حملہ کیا گیا۔ ڈو پر شاہی نشان تھے۔ اور یہ طیارہ دمشق کے ہوائی اڈے کے منتظمین کے لیے نیا نہ تھا کہ وہ اسے پہچاننے میں غلطی کرتے۔ پھر وہ اسے دو بار گذرنے کی اجازت بھی دے چکے تھے۔

اب شام اور اردن کے تعلقات میں تلخی نہیں رہی۔ جو ۱۹۵۸ء میں تھی بلکہ دونوں شیر و شکر ہو چکے ہیں۔ لیکن آج تک یہ معمہ حل نہیں ہو سکا۔ کہ حملہ کرنے والے ہواباز کون تھے؟ اور کنٹرول ٹاور پر وہ آواز کس کی تھی جس نے پہلی اجازت منسوخ کر کے شاہ حسین کو دمشق کے ہوائی اڈے پر اترنے کا حکم دیا تھا۔

آٹھواں باب

مشکلات کا دور

تخت نشین ہوتے ہی نوعمر شاہ حسین کو متعدد مشکلات اور مسائل کا سامنا کرنا پڑا! سب جانتے ہیں کہ عرب ممالک کی سیاست بہت پیچیدہ ہے۔ اردن چھوٹا سا ملک ہے جس کے وسائل محدود لیکن مسائل لامحدود ہیں۔ کسی بھی ملک کے لیے سب سے اہم مسئلہ اس کی سلامتی کا ہوتا ہے۔ اور اردن کی سلامتی اس وقت سے خطرے میں ہے جب سے سامراجی طاقتوں نے اسرائیل قائم کیا ہے۔ اسرائیل کی بین الاقوامی سرحد ۶۷۰ میل لمبی ہے۔ اور اس میں سے تقریباً چار سو میل اردن کے ساتھ مشترک ہے۔ گویا اسرائیل کے دشمنوں میں سے جو ملک سب سے کمزور سب سے چھوٹا ہے۔ اسی پر طویل ترین محاذ پر اس کی جارحیت کو روکنے کی

ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

اردن جغرافیائی، سیاسی اور فوجی لحاظ سے بھی بہت اہمیت رکھتا ہے اور اس کے فیصلوں کا دنیائے عرب پر گہرا اثر ہونا لازمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی طاقتیں اس ملک کو اپنا ہمنوا رکھنے اور صدر ناصر اسے اپنے ساتھ لانے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اس ملک میں اپنی حامی حکومت کے قیام کے خواہاں تھے۔ اردن کی سیاسیات کا ایک اور پہلو بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اگرچہ شاہ حسین عرب ازم کے زبردست حامی اور اپنی فوج عرب لیجن سے برطانوی افسروں کو نکالنے کے خواہاں تھے۔ اس کے باوجود وہ شروع سے مشرقی بلاک کے خلاف رہے ہیں۔ اور انہوں نے اپنا مفاد مغربی بلاک سے وابستہ کر رکھا ہے۔ یہ بات بھی ان عرب ممالک کو پسند نہیں جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ اسرائیل مغربی بلاک کی سازش کی پیداوار ہے۔

شاہ حسین کو سب سے پہلے جس اہم قومی بحران کا سامنا کرنا پڑا وہ معاہدۂ بغداد سے متعلق ہے۔ اگرچہ مصر اور اردن کے درمیان اعصابی جنگ شاہ حسین کے دادا شاہ عبداللہ کے قتل سے بھی پہلے سے جاری تھی۔ تاہم ۱۹۵۵ء میں معاہدۂ بغداد پر دستخط ہونے کے بعد یہ اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔

اگرچہ شاہ حسین اور صدر ناصر دونوں اپنی اپنی جگہ اس بات سے متفق تھے۔ کہ عرب ممالک کے مشترک دفاع کے لیے ایک معاہدہ ہونا چاہیے لیکن دونوں

کہ نظریات میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

شاہ حسین نے ۱۹۵۴ء میں اپنے دورۂ ترکی کے دوران وزیر اعظم عدنان مینڈریز سے ایسے دفاعی معاہدے کے امکانات کے بارے میں تبادلۂ خیالات کیا تھا جس میں تمام عرب ممالک شریک ہوں۔ انہوں نے ترک وزیر اعظم کو متنبہ کیا تھا کہ اگر کسی ایک عرب ممالک نے باقی عرب ممالک سے مشورہ کئے بغیر مغربی ممالک کے ساتھ کسی دفاعی معاہدے میں شرکت کر لی تو اس کے نتائج خطرناک ہوں گے۔

لیکن شاہ حسین نے جو خواہش ظاہر کی تھی۔ اس کے بالکل برعکس ہوا۔ شاہ اردن نے اپنے دورہ ترکی و انگلستان کے دوران افواہیں سنی تھیں کہ مشرقِ وسطیٰ کے لیے ایک دفاعی معاہدہ کا مسودہ تیار کیا جا رہا ہے۔ لیکن یہ تیاریاں اتنی خفیہ تھیں کہ نہ تو شاہ کو مزید معلومات مل سکیں اور نہ کسی اور عرب کو۔

اچانک ۱۹۵۵ء میں معاہدۂ بغداد کا اعلان کر دیا گیا۔ ایشیائی ممالک میں سے پاکستان اور ترکی کے علاوہ عراق بھی اس میں شامل تھا۔ دنیائے عرب یہ خبر سن کر ششدر رہ گئی۔ اس کے ساتھ مصر اور عراق میں ٹھن گئی۔

صدر ناصر جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ عربوں کے دفاعی معاہدے کے خلاف نہ تھے لیکن متذکرہ معاہدہ جس طرح ان سے مشورہ لیے بغیر کیا گیا اس سے وہ مشتعل ہو گئے۔ ثانیاً وہ صرف عراق کو دنیائے عرب میں اپنا حریف سمجھتے تھے۔ اس معاہدہ میں چونکہ عراق ہی واحد عرب ملک تھا اس لیے وہ اسے یہ اہمیت دیئے جانے پر

ناراض تھے ترکی اور پاکستان کی سابق حکومتوں نے جنگ سویز کے دنوں میں مصر کا ساتھ نہ دے کر جو غلطی کی تھی۔ اس کا بھی اس خفگی میں دخل تھا۔ عرب خاص طور پر ترکیہ سے بہت ناراض تھے۔ کیونکہ یہ واحد مسلم ملک تھا جس نے اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کیے تھے۔ معاہدہ ہو چکا تھا۔ اور اب صدر ناصر کے سامنے صرف ایک ہی راستہ رہ گیا تھا اور وہ یہ کہ دوسرے عرب ممالک اس معاہدے میں شریک نہ ہوں۔ چنانچہ قاہرہ ریڈیو نے اس معاہدے اور عراق کے خلاف زبردست مہم شروع کر دی۔ یہ پروپیگنڈہ اتنا منظم اور مؤثر تھا کہ بہت جلد دوسرے عرب ممالک سے بھی معاہدہ بغداد کے خلاف آوازیں بلند ہونے لگیں۔ شروع میں قاہرہ ریڈیو نے اپنی مہم صرف بغداد اور مغربی سامراج کی مذمت تک محدود رکھی لیکن بعد ازاں اردن کو بھی اس میں شامل کر لیا۔

اس کی تین وجوہ تھیں۔

۱۔ عراق اور اردن چونکہ ایک ہی خاندان کی حکومت تھی۔ دونوں کے درمیان انتہائی برادرانہ مراسم تھے۔ اس لیے ان دونوں کو ایک ہی سمجھا جاتا تھا۔

۲۔ اردن کی فوج عرب لیجن کے تمام افسر انگریز تھے اور اس کے تمام اخراجات بھی برطانوی حکومت برداشت کرتی تھی۔ چنانچہ اسے برطانیہ کا آلۂ کار سمجھنا فطری امر تھا۔

۳۔ شاہ حسین اپنے ملک کو معاہدہ بغداد میں شامل کرنا چاہتے تھے۔

اردن کو دوستوں کی ضرورت تھی۔ لیکن وہ چاروں طرف سے مشکلات میں گھرا ہوا تھا۔ اسرائیل ہمیشہ سے چاہتا تھا کہ کسی بہانے جنگ چھیڑ کر یروشلم پر قبضہ کرنے کے علاوہ اپنی سرحد دریائے اردن تک بڑھا لے۔ سعودی عرب اردن کی واحد بندرگاہ عقبہ کو اپنے صوبہ حجاز کا حصہ قرار دیتے ہوئے اس کی ملکیت کا دعویدار تھا اور شام مصر کے اثر و نفوذ کے باعث اردن کے خلاف تھا۔

شاہ حسین نے ان مشکلات اور مخالفانہ رویے کے باوجود مصر اور عراق سے تعلقات بہتر بنانے کی کوشش کی۔ وہ اس سلسلے میں بغداد بھی گئے۔ لیکن ان کے عم زاد شاہ فیصل اس معاملے میں بے اعتنا تھے۔ اور ان کے وزیر اعظم نوری السعید نے واشگاف طور پر یہ کہہ دیا کہ "ہم معاہدہ میں شامل ہو چکے ہیں اب اس سے نکلنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔"

شاہ حسین نے قاہرہ جا کر صدر ناصر سے بھی ملاقات کی۔ شاہ حسین نے اپنی خود نوشت سوانح میں اعتراف کیا ہے کہ وہ ابتدا سے ہی صدر ناصر سے بہت متاثر ہیں۔ اور انہوں نے اس عظیم مصری راہنما سے بہت امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ انہوں نے یہ تہیہ کر رکھا تھا کہ وہ عربوں کے وسیع تر مفاد کی خاطر صدر ناصر کی ہر ممکن امداد کریں گے۔

"یہ عقیدت بعد کے تلخ واقعات کے باعث دب گئی۔ اور اب ۱۹۶۷ء کی جنگ اسرائیل کے دوران پھر ظاہر ہوئی ہے۔"

صدر ناصر نے انہیں بتایا کہ وہ معاہدے کے خلاف نہیں لیکن جس تیزی سے اور دوسرے عرب ممالک کو اعتماد میں لیے بغیر اسے تشکیل دیا گیا ہے وہ اسے پسند نہیں کرتے۔

تاہم یہ دونوں ملاقاتیں رائیگاں گئیں۔ عراق اور مصر کے تعلقات خراب سے خراب ہوتے چلے گئے۔ اس کے ساتھ ہی قاہرہ ریڈیو سے اردن کے خلاف پروپیگنڈہ بھی تیز ہوتا گیا۔

پھر ۲۷ ستمبر ۱۹۵۵ء کو دنیائے عرب ایک مرتبہ پھر چونک ہو گئی۔ اس روز صدر ناصر نے سوویت بلاک کے ساتھ فوجی امداد کے معاہدے کا اعلان کیا۔ عربوں کے نزدیک یہ اعلان خوشخبری سے کم نہ تھا۔ وہ اسرائیل کا وجود کسی صورت بھی برداشت نہ کرتے تھے۔ اور اب انہیں صدر ناصر کی شکل میں نجات دہندہ نظر آ رہا تھا۔ اردن کے عوام بھی اس خبر سے بہت خوش ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی قاہرہ ریڈیو نے اردنی عوام کو شاہ حسین سے نجات پانے کے لیے اکسانا شروع کر دیا۔

اس دوران میں ترکیہ کے صدر اردن کے دورے پہ آئے تو معاہدہ بغداد میں اردن کی شمولیت کا سوال بھی زیر غور آیا۔ شاہ حسین نے ان پر واضح کیا کہ اردن کو اسلحہ کی ہی نہیں اقتصادی امداد کی بھی ضرورت ہے۔ ثانیاً وہ اینگلو اردنی معاہدے پر نظر ثانی چاہتے تھے تاکہ وہ عرب لیجن کے برطانوی افسروں کی جگہ اپنے ہم وطنوں کو مقرر کر سکیں۔ ترک صدر کے مشورہ پر شاہ حسین نے اس بارے

میں ایک مراسلہ برطانوی حکومت کو ارسال کر دیا۔

انہی دنوں برطانوی فوج کے چیف آف سٹاف اردن کے دفاع اور عرب لیجن کے بارے میں مذاکرات کے لیے عمان آئے اور انہوں نے معاہدہ بغداد میں اردن کی شرکت کے امکانات پر بھی بات چیت کی۔ شاہ نے انہیں بھی اپنی شرائط سے آگاہ کر دیا۔

شاہ حسین عزم کر چکے تھے کہ وہ اس غلطی کا اعادہ نہیں کریں گے جو عراق نے معاہدۂ بغداد میں شرکت کے وقت مصر کو اعتماد میں نہ لے کر کی تھی اور جس کے باعث ایک شدید بحران پیدا ہو چکا تھا۔ انہوں نے اس سلسلے میں دو دانشمندانہ اقدامات کیے۔ اولاً مصری کمانڈر انچیف، عبدالحکیم عامر کے ہاتھ جو ان دنوں اردن کے دورے پر آئے تھے۔ صدر ناصر کو مراسلہ بھیجا جس میں عراق کے ساتھ اپنے تعلقات، اسرائیل کے خطرے اور اپنی اقتصادی مشکلات کا پس منظر بیان کیا۔ ثانیاً اس مسودے کی ایک نقل صدر ناصر کو ارسال کر دی۔ جو اردن کے ماہرین نے تیار کیا تھا اور جس کا مقصد یہ تھا کہ اگر اردن کسی وقت معاہدۂ بغداد میں شرکت کرے تو شرائط پہلے سے تیار ہوں۔ صدر ناصر نے اس منصوبے کو پسند کیا اور اپنے اعلیٰ افسروں کا ایک وفد تبادلۂ خیالات کے لیے عمان بھیجا۔

بظاہر حالات درست ہو رہے تھے۔ اور صدر ناصر اور شاہ حسین کے خیالات میں ایک خاص حد تک ہم آہنگی کے آثار ملنے لگے تھے۔ اچانک،

نجانے کیا ہوا کہ ہوا کا رخ بدل گیا۔ قاہرہ ریڈیو نے اردن اور شاہ حسین کے خلاف اتنی تند و تلخ مہم شروع کر دی کہ ماضی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ "شاہ حسین برطانیہ کے ہاتھ بک گیا ہے" "حسین" اردن کو سامراج کے ہاتھ فروخت کر دے گا" اور اس قسم کی نشریات کے باعث چند ہی گھنٹوں کے اندر اردن میں وسیع پیمانے پر فسادات شروع ہو گئے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ۱۳ دسمبر ۱۹۵۵ء کو اردن کی کابینہ کے چار وزیر اور اس کے بعد خود وزیر اعظم سعید مفتی بھی دباؤ میں آکر مستعفی ہو گئے۔ مستعفی ہونے والے چاروں وزیروں کے اس بیان سے کہ سامراج کے ساتھ شاہ حسین کے سودے کے بارے میں قاہرہ ریڈیو کا بیان درست ہے۔ فسادات کی آگ اور بھڑک اٹھی۔

شاہ حسین نے اپنے سابق وزیر داخلہ مجالی کو وزیر اعظم مقرر کیا۔ ۱۹ دسمبر کو نئی کابینہ کے وزیر داخلہ اور دو دیگر وزیر مستعفی ہو گئے۔ مجالی نے ان کی جگہ پر کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ شاہ نے کابینہ توڑ دی اور عوامی حکومت قائم کر کے تین چار ماہ کے اندر نئے سرے سے انتخابات کرانے کا اعلان کر دیا۔ لیکن پارلیمنٹ کے چند ارکان نے شاہ کے اس فیصلے کی آئینی حیثیت کو چیلنج کر دیا۔ اور عدالت عالیہ نے اسے ناجائز قرار دے کر پارلیمنٹ کے پرانے ارکان کو بحال کر دیا۔

اب صورتِ حال شاہ حسین کے قابو سے نکل جا رہی تھی اور فسادات

شدید سے شدید ہوتے جا رہے تھے۔ مشتعل ہجوم نے سرکاری و غیر سرکاری عمارات اور غیر ملکی املاک کو نذرِ آتش کرنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ شاہ حسین نے فوج طلب کر لی اور ملک میں دس دن کا کرفیو لگا دیا۔

ملکی حالات معمول پہ آنے کے بعد شاہ حسین نے عمان میں عرب سربراہوں کی کانفرنس بلانے کی تجویز پیش کی۔ اور تمام سربراہوں کو ذاتی دعوت نامے بھیجے۔ عراق اور لبنان نے شرکت پر آمادگی ظاہر کی۔ سعودی عرب بھی نیم رضامند تھا مصر نے مطالبہ کیا جب تک شرکت کرنے والے تمام ممالک واضح طور پہ معاہدۂ بغداد کی مذمت نہیں کرتے وہ شریک نہیں ہو گا۔ عراق کے لیے یہ کسی طور بھی قابلِ قبول نہ تھا۔ چنانچہ کانفرنس نہ ہو سکی۔

باب نمبر ۹

ایک جرأت مندانہ فیصلہ

اردن کی فوج کے سربراہ جنرل گلب تھے جنہیں عرفِ عام میں گلب پاشا کہا جاتا ہے وہ سنہ ۱۹۲۰ء میں برطانیہ سے دنیائے عرب میں وارد ہوئے۔ اور عراق کی فوج میں دس سال کام کرنے کے بعد سنہ ۱۹۳۰ء میں اردن کی فوج میں شامل ہو گئے۔ ابتداً انہیں صحرائی فوج کا کمانڈر مقرر کیا گیا تھا۔ پھر وہ ترقی کرتے کرتے "الجیش العربی" یا عرب لیجن کے کمانڈر ان چیف مقرر ہو گئے۔

وہ اگرچہ اردن کی فوج کے کمانڈر۔ ان۔ چیف تھے لیکن ان کی وفاداریاں برطانیہ سے وابستہ تھیں۔ اور وہ ایسا کوئی بھی اقدام اٹھانے پر تیار نہ تھے جو برطانوی حکومت کے ایما کے خلاف ہو۔ وہ چونکہ ۲۶ سال سے اردن کی ایک اہم شخصیت

تھے۔ اس لئے براہِ راست تعلق نہ ہونے کے باوجود اردن کی سیاست میں ان کو گہرا دخل حاصل تھا۔ اردن کے تقریباً تمام تر سیاسی راہنما جن میں بعض وزیرِ اعظم بھی شامل ہیں۔ ان سے مشورے اور ہدایات لیتے تھے۔ اس طرح شاہ کے بعد وہ اردن کی اہم ترین شخصیت بن چکے تھے۔

شاہ حسین نے جب سے اقتدار سنبھالا تھا ان کی خواہش تھی کہ عرب لیجن کی کمان اردنی افسروں کے ہاتھ میں ہو۔ وہ چاہتے تھے کہ انگریز افسروں کی جگہ بتدریج اردنی جوانوں کا تقرر کیا جائے تاکہ یہ خالصتاً اردنی فوج بن جائے لیکن ایسا کرنے سے اردن کی فوج اور اس کے ساتھ تمام تر سیاست پر برطانیہ کی گرفت کمزور پڑنے کا بھی امکان ہی نہیں یقین تھا۔ برطانوی حکومت کے لئے یہ صورتِ حال کسی صورت میں بھی قابلِ قبول نہ تھی۔ گلب پاشا بھی اردن کو اپنا وطن ظاہر کرنے کے باوجود اپنے آبائی وطن برطانیہ کے مفادات کی حفاظت کرنا اپنا فرضِ اولین سمجھتے تھے۔ اور اسی لئے شاہ حسین کی ہر اس کوشش کو ناکام بنانا چاہتے تھے۔ جس کا مقصد لیجن میں مقامی افسروں کی تعداد میں اضافہ کرنا ہو۔ یہاں تک کہ کوئی بھی اردنی افسر رجمنٹ کمانڈر کے عہدے سے آگے ترقی نہ کر سکتا تھا۔ اس پالیسی کا ایک منفی نتیجہ یہ بھی نکلا کہ اردن کے نوجوان فوجی افسروں اور جوانوں میں بے دلی پھیل گئی جن پر ترقی کے راستے بند کر دیئے گئے تھے

شاہ حسین کئی ماہ تک گلب پاشا کو قائل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ لیکن

وہ ہر مرتبہ ٹال جاتے۔ بالآخر انہوں نے براہِ راست برطانوی حکومت سے خط و کتابت شروع کر دی اور جب برطانوی حکومت نے انہیں اطلاع دی کہ عنقریب اردنی افسروں کو ترقی کے مواقع فراہم کرنے کے ایک سکیم پیش کی جائے گی تو شاہ نے اسے اپنی کامیابی تصور کیا۔ لیکن جلد ہی انہیں پتہ چل گیا کہ یہ سب دھوکہ تھا جو سکیم پیش کی گئی اس کے مطابق سب سے پہلے عرب لیجن کی انجینئرنگ کور کا عرب کمانڈر مقرر کیا جانا تھا اور اس کے لئے ۱۹۸۵ء کا سال مقرر کیا گیا۔ گویا اس کام کے لئے تیس سال کی تیاری ضروری سمجھی گئی۔ یہ ایک سیاسی مذاق ہی نہیں عربوں کی خواہشات کی تضحیک بھی تھی۔

گلب پاشا کی عمر ساٹھ سال کے قریب تھی اور وہ ۳۵ سال سے دنیائے عرب میں رہنے کے باعث دنیا سے بالکل کٹے ہوئے تھے۔ وہ ترقی کے اس دور میں بھی پچاس سال پہلے کے فوجی پلان بناتے اور ان پر اصرار کرتے تھے۔ شاہ حسین کم عمری کے باوجود جدید فن حرب سے اچھی طرح آگاہ تھے سینڈہرسٹ کی تربیت کی بدولت اپنے ملک کی ضروریات کو زیادہ بہتر طور پر سمجھتے تھے۔ مزید براں گلب پاشا کو برطانوی مفاد عزیز تھا اور شاہ قومی ——— اور صرف قومی تقاضوں کو سامنے رکھتے تھے۔ اس صورت حال میں سربراہ مملکت اور کمانڈر ان چیف میں اختلاف رائے پیدا ہونا قدرتی تھا۔

سب سے اہم اختلاف اسرائیل کے بارے میں تھا۔

جیسا کہ پچھلے باب میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اسرائیل کی ۶۷۰ میل طویل سرحد

میل سے تقریباً چار سو میل اردن کے ساتھ مشترک ہے۔ اس کے باوجود اردن نے ۱۹۴۸ء کی جنگ ۔۔۔ اسرائیل میں تمام عربوں سے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اور اس کی ساڑھے چار ہزار افراد پر مشتمل فوج نے نہ صرف اپنے علاقہ کا موثر دفاع کیا تھا بلکہ دریائے اردن کے مغرب میں یروشلم تک مقدس مقامات کو یہودیوں کی دستبرد سے بچایا تھا۔ لیکن جنگ میں شکست کے بعد ناکامی کا ذمہ دار اردن کو ہی قرار دیا گیا اور اس پراپیگنڈہ کی یہ بنیاد خاصی مضبوط تھی کہ ایک ایسی فوج جس کے تمام تر افسر تھے کہ کمانڈر۔ ان۔ انچیف بھی انگریز ہیں۔ عربوں کی آزادی کے لئے اور اس ملک کے خلاف جو برطانیہ کے ایماء پر قائم کیا گیا تھا کس طرح اچھی طرح لڑ سکتی ہے۔

شاہ حسین نے بادشاہ بننے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی اس جنگ میں عربوں کی ناکامی کی وجوہ کا مطالعہ بڑے غور سے کیا تھا اور اب تہیہ کر چکے تھے کہ وہ دوبارہ یہودیوں کو ضرب لگانے کا موقع فراہم نہیں کریں گے۔ ان کا خیال تھا کہ اپنی فوج کو ۔۔۔۔ جس کی تعداد محدود تھی۔ چار سو میل لمبے محاذ پر پھیلا کر جنگ نہ تو جیتی جا سکتی ہے اور نہ دشمن کو روکا جا سکتا ہے۔ وہ اسے خودکشی کے مترادف سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے سرحدی علاقوں میں آباد افراد کو فوجی تربیت دے کر اور انہیں اسلحہ فراہم کر کے نیشنل گارڈ منظم کی۔ اس رضاکار فوج کا کام یہ تھا کہ باقاعدہ فوج کو دشمن کا ہی ضرب لگانے کا موقع فراہم کرنے کے لئے اس کا بوجھ ہلکا کر سکے۔

شاہ کا نظریہ یہ تھا کہ صرف دفاع کافی نہیں۔ اگر دشمن کو علم ہو کہ اس کا

حریف بھی اپنی مرضی کے مقام پر اتنی ہی کاری ضرب لگا سکتا ہے جتنی وہ خود، تو وہ حملہ کرنے سے پہلے کئی بار سوچے گا۔ اسی لئے وہ اردن کی فوج کو اس طرح تنظیم دینا چاہتے تھے کہ وہ اسرائیل کے لئے خطرے کا باعث بنی رہے۔ اسرائیل کے فوجی آئے دن اردنی علاقے میں گھس کر لوٹ مار اور قتل و غارت کرتے رہتے تھے۔ شاہ حسین کا خیال تھا کہ بے گناہ اور نہتے اردنی کسانوں پر ان حملوں کو روکنے کی ایک ہی ترکیب ہے اور وہ یہ کہ جب بھی اردن کے کسی علاقے پر حملہ ہو۔ اردن بھی اسرائیل کے علاقے میں ایسا ہی حملہ کر دے۔

گلب پاشا یقینی طور پر برطانوی حکومت کے زیر اثر ہونے کے باعث تمام تر تجاویز کے خلاف تھے وہ ہمیشہ اس بات پر زور دیتے تھے کہ اردن کی پہلی دفاعی لائن دریائے اردن کے مشرقی کنارے پر ہونی چاہیئے۔ دوسرے لفظوں میں ان کا "فوجی منصوبہ" یہ تھا کہ دریائے اردن کے مغربی کنارے کا تمام علاقہ جس میں یروشلم بھی شامل ہے جنگ شروع ہوتے ہی اسرائیل کے حوالے کر دیا جائے۔

یہ منصوبہ کسی بھی عرب کے لئے قابل قبول نہ تھا۔

۱۹۴۸ء کی جنگ۔ بندی کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ طرفین میں سے کوئی بھی اپنی فوجی طاقت میں اضافہ نہیں کرے گا۔ چنانچہ برطانیہ نے فوراً اردن کو فوجی سامان کی ترسیل بند کر دی حتیٰ کہ گولہ بارود سے لدا ہوا ایک جہاز راستے سے واپس بلا لیا گیا۔ برطانیہ "ایک ایسا توازن طاقت" قائم کرنا چاہتا تھا اور اب تک اس کے لئے کوشاں ہے۔

جو توازن کہلا ہی نہیں سکتا۔ وہ توازن کے معانی یہ نکلتا تھا کہ اکیلے اسرائیل کی طاقت عرب کے تمام ترممالک کی فوجی طاقت کے برابر ہونا چاہیئے۔

اردن صرف برطانوی ہتھیار استعمال کرتا تھا اور برطانیہ اسے گولہ بارود دینے پر تیار نہ تھا۔ دوسری طرف اسرائیل دھڑا دھڑ فرانس سے اسلحہ حاصل کر رہا تھا۔

ان حالات میں ایک ایسا کمانڈر۔ ان۔ چیف جو اپنی فوج کے لئے گولہ بارود حاصل نہ کر سکے۔ بیکار تھا۔

انہی دنوں دو اور واقعات نے شاہ اور کمانڈر۔ ان۔ چیف کے اختلافات کی خلیج وسیع کر دی۔ اردن کی پولیس فوج کے ماتحت یا یوں کہہ لیجیئے گلب پاشا کی زیر کمان تھی۔ پولیس اور فوج ایک شخص کے تحت اکٹھی کسی بھی لحاظ سے درست نہیں۔ شاہ حسین نے اپنے وزیر اعظم کو حکم دیا کہ پولیس کو وزارت داخلہ کی تحویل دے دیا جائے۔ وزیر اعظم نے انہیں یہ فیصلہ بدلنے کی ترغیب دی۔ خطرات سے آگاہ کیا۔ اور برطانوی حکومت کی ناراضگی سے ڈرایا لیکن شاہ حسین اپنی بات پر ڈٹے رہے۔

شاہ کے اس فیصلے کے جواب میں اگلے دن وزیر اعظم نے ان کے سامنے فوجی افسروں کی ایک لمبی چوڑی فہرست پیش کر دی جنہیں برطرف کرنا مقصود تھا یہ گویا جنرل گلب کی جوابی کارروائی تھی۔ اگرچہ فوج کے کمانڈر۔ ان۔ چیف گلب پاشا تھے تاہم افسروں کی برطرفی کے احکامات پر شاہ کے دستخط لازمی تھے۔ شاہ حسین نے برطانیہ کے سامنے جھکنے اور اس شاہی فرمان پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔

اگلے ہی لمحے وزیر اعظم نے فوج اور پولیس کو الگ الگ کمان میں دینے کے بارے میں اپنا جواب بھیج دیا۔ اس نے لکھا تھا فی الحال یہ ممکن نہیں

اس رات شاہ حسین نے اپنی زندگی کا ایک اہم ترین فیصلہ کیا۔

اگلی صبح یعنی یکم مارچ ۱۹۵۶ء کو وہ اپنے چیف دیوان کو ساتھ لے کر وزیر اعظم کے دفتر پہنچے اور ان کی میز پر کاغذ کا ایک پرزہ رکھ دیا۔ یہ جنرل گلب کی جوابی برطرفی کا حکم تھا۔ وزیر اعظم ششدر رہ گیا۔

گلب پاشا کو جس نے اردن میں ۲۶ برس گزارے تھے۔ دو گھنٹے کے اندر ملک سے چلے جانے کا حکم دے دیا گیا (تاہم وہ اگلی صبح روانہ ہوئے)

شاہ کے اس فیصلے نے برطانیہ کو ہلا کر رکھ دیا۔ سارا دن اور ساری رات تار پر تار آتے رہے جن میں شاہ سے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کی درخواست کی گئی تھی وزیر اعظم انتھونی ایڈن نے ذاتی پیغام بھیجا۔ برطانوی سفیر نے رات کو دو مرتبہ شاہ کو نیند سے جگا کر پہلے فیصلہ بدلنے کی استدعا کی اور پھر ڈرایا، دھمکایا لیکن شاہ ڈٹے رہے۔ انہوں نے قوم و ملک کی بہتری کے لئے جو فیصلہ کیا تھا وہ اسے واپس لینے پر تیار نہ ہوئے۔

برطانیہ نے آخری حربہ یہ استعمال کیا کہ شاہ سے اپنے حکم پر عملدرآمد تین ماہ ملتوی کرنے کی درخواست کی۔ لیکن شاہ حسین اس چال کو سمجھ چکے تھے انہیں علم تھا۔ کہ اگر ایک بار جنرل گلب اردن سے باہر چلے گئے تو برطانیہ کے لئے اردن پر

دباؤ ڈالنا اس سے کہیں مشکل جو ان کی موجودگی میں ڈالا جا سکتا تھا۔

برطانوی حکومت اور اخبارات نے بھی شاہ کے اس اقدام کی شدید مخالفت کی اور اندرون ملک بھی انہیں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ شاہ کا یہ اقدام بروقت اور قومی مفاد کے عین مطابق تھا۔ پھر فوج کے کمانڈر ان چیف کو برطرف کرنے کا فیصلہ ایک ملک کا داخلی معاملہ تھا اور اسے اردن اور برطانیہ کے تعلقات کے لئے کاری ضرب قرار دینا کوتاہ اندیشی تھی۔

شاہ کے اس دانشمندانہ فیصلے کے بعد سے اردن کی فوج نے جو ترقی کی ہے وہ ان کے تدبر اور دور اندیشی کا واضح ثبوت ہے۔

اگر جنرل گلب پاشا مزید ایک سال بھی اردن میں رہ جاتے تو آج مشرق وسطیٰ کی تاریخ قطعی مختلف ہوتی۔

باب نمبر ۱۰

بادشاہ اور وزیر اعظم کا مقابلہ

جب برطانوی حکومت جنرل گلب کی برطرفی کے بارے میں شاہ حسین کا فیصلہ منسوخ کرانے میں ناکام رہی تو اس نے اردن کی فوج کے تمام انگریز افسروں کو بھی واپس بلا لیا۔ عرب لیجن پر انگریز افسروں کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ اردنی افسروں کو بھی اعلیٰ کمان نہیں سونپی گئی تھی۔ نتیجتاً ان کی صلاحیتیں دب کر رہ گئی تھیں اور کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ اس خلا کو پورا کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے یا نہیں جوان کے پیش رو پیدا کر گئے تھے۔ اس طرح شاہ حسین کو تقریباً نئے سرے سے فوج کو منظم کرنا پڑا۔ یہ ایک تجرباتی دور تھا جس میں متعدد غلطیاں بھی ہوئیں تاہم مجموعی طور پر تجربہ کامیاب رہا۔

گلب پاشا کے جانے سے ان کی مشکلات کا دور ختم نہیں ہوا۔ بلکہ حالات ابتر ہوتے چلے گئے۔

گلب پاشا کی روانگی کے بعد ایک سال کا عرصہ شاہ اور حکومت کے درمیان کشمکش کا دور تھا۔ جنرل گلب کی روانگی کے ساتھ ہی یہ سمجھا جانے لگا تھا کہ اردن کا برطانوی اقتدار کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ اور سیاسی مفادات کے لیے ہر کوئی یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ اس کا کارنامہ ہے۔

سنہ ۱۹۵۶ء کے اواخر میں اردن میں جو عام انتخابات ہوئے ان میں نیشنل سوشلسٹ پارٹی نے اکثریت حاصل کی تھی۔ اس جماعت کے سیکرٹری جنرل سلیمان نوبلسی تھے وہ اگرچہ خود انتخاب میں شکست کھا گئے تھے لیکن چونکہ ان کی جماعت کو قطعی اکثریت حاصل تھی اس لئے شاہ حسین نے انہیں وزارت بنانے کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی۔

نیشنل سوشلسٹ پارٹی بائیں بازو سے تعلق رکھتی ہے اور اس کا اولین مقصد شہنشاہیت کا خاتمہ اور سوشلزم کا احیاء تھا۔ شاہ حسین اشتراکیت کو اپنے ملک کے لئے زہر قاتل سمجھتے تھے اور ان کے وزیر اعظم ------- اور برسر اقتدار جماعت سوشلزم کو ذریعہ نجات۔ نتیجۃً شاہ اور برسر اقتدار جماعت میں ٹھن گئی۔ گویا بادشاہ ایک طرف تھا تو حکومت دوسری طرف۔

اس زمانے میں شاہ حسین اور صدر ناصر کی مخالفت عروج پر تھی اور دونوں

ایک دوسرے کو اپنا جانی دشمن تصور کرتے تھے۔ قاہرہ ریڈیو برابر اردنی عوام کو اکسا رہا تھا کہ "غدار حسین سے نجات پالو" اردن کے نئے وزیر اعظم برملا مصر اور صدر ناصر کی تعریف اور حمایت کرتے تھے۔ ایک ایسا موقع بھی آیا۔ کہ انہوں نے ایک جلسۂ عام میں نصف گھنٹے تک تقریر کی۔ ساری تقریر صدر ناصر کی ستائش پر مشتمل تھی اور اس میں ایک فقرہ بھی شاہ حسین یا اردن کی تعریف میں نہیں کہا گیا۔

۱۹۵۳ء میں اردنی پارلیمنٹ نے ایک قانون منظور کر کے کمیونسٹ اخبارات کی اشاعت پر پابندی لگا دی تھی۔ نئے وزیر اعظم نے شاہ سے پوچھے یا پارلیمنٹ سے رجوع کئے بغیر ایک کمیونسٹ اخبار کو اشاعت کی اجازت دے دی سوویت خبر رساں ادارے کو بھی عمان میں اپنا دفتر کھولنے کی اجازت مل گئی اور سنیما گھروں میں سوویت فلمیں دکھائی جانے لگیں۔

جلد ہی شاہ اور شہنشاہیت کی مخالفت کی یہ مہم فوج میں بھی پھیل گئی اور آہستہ آہستہ فوج کا ایک بڑا حصہ بادشاہ کے خلاف ہو گیا۔ شاہ حسین نے اپنی خود نوشت سوانح میں سوویت یونین، مصر اور شام پر اردن کے فوجی افسروں اور سیاسی عناصر کو رشوت دینے کا الزام لگایا ہے ان میں چیف آف سٹاف جنرل جنرل ابونوار اور نائب وزیر خارجہ عبداللہ رمادی بھی شامل تھے موخر الذکر بعث پارٹی کے رکن تھے عبداللہ رمادی اور دوسرے وزیر کابینہ کے ہر اہم

اجلاس کے بعد دمشق جاتے اور الصبح لوٹ آتے تھے۔ شاہ حسین کے وفاداروں نے انہیں یہ اطلاع بھی دی تھی کہ یہ وزراء واپس آتے ہیں تو ان کے سوٹ کیس کرنسی نوٹ سے بھرے ہوتے ہیں۔

شاہ کو یہ اطلاع بھی ملی کہ اردنی فوج کے افسر دمشق اور بیروت کے نائٹ کلبوں میں بے دریغ روپیہ بہاتے ہیں۔ شاہ کے وفادار حلقے اس کا یہ مطلب لیتا تھا کہ انہیں یہ روپیہ شام، مصر اور روس سے ملتا تھا۔

حفاظتی فوج (پولیس) کے سربراہ نے حالات پر قابو پانے کی کوشش کی لیکن چونکہ اس شعبے میں بھی ابونوار کے حامی موجود تھے۔ اس لیئے اس کی ایک نہ چلی۔ وہ جو حکم دیتا اس کے ماتحت افسر اسے نظر انداز کر دیتے۔ حتیٰ کہ عام سپاہیوں کو مظاہرہ اور ہنگاموں کو روکنے یا مداخلت کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ اپنے آپ کو بے بس پاکر اس نے استعفا دے دیا۔ جس کے بعد حالات مزید ابتر ہو گئے۔

اس زمانے میں شاہ حسین پر زور دیا جانے لگا کہ وہ سوویت یونین اور عوامی چین کو تسلیم کر لیں۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا شاہ حسین اشتراکیت کو اپنے ملک کے لیئے زہر قاتل سمجھتے تھے اور اشتراکیت کی مخالفت میں انتہا پسندانہ رویہ رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے انکار کر دیا۔ شام کے وزیر اعظم صلاح البیطار نے اردن کی حکومت کو اہم پیغام بھیجا جس میں روس اور کمیونسٹوں سے دوستانہ

تعلقات قائم رکھنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔

شاہ حسین نے اس مراسلے کا جواب خود لکھا اور اس ہدایت کے ساتھ کابینہ کے سپرد کر دیا کہ اسے سفارتی ذرائع سے شامی حکومت کو بھیج دیا جائے لیکن کابینہ نے بادشاہ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔

شاہ حسین کے لئے یہ ناقابل برداشت تھا۔ انہوں نے اپنے وزیر اعظم کو ایک خط لکھا جس میں انہوں نے اشتراکیت کے بارے میں اپنے خیالات وافکار کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے واضح کیا کہ اگر اردن کی بقا عزیز ہے تو ہمیں بہت محتاط ہو کر کوئی محفوظ راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔

اس کے ساتھ ہی شاہ نے یہ خط اخبارات میں شائع کرا دیا۔ سادہ دل اور شاہ پرست عوام نے اس خط کا خیر مقدم کیا۔ لیکن وزراء نے فوراً اس کی مذمت شروع کر دی اور غیر ملکی اخبارات کے علاوہ ٹائمز اور مڈل ایسٹ نیوز ایجنسی (مصر) کو ایسے انٹرویو دیئے جن کا مقصد دنیا پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ بادشاہ اپنی کابینہ کے سامنے بے بس ہے۔

اگلے دن وزیر اعظم اور ان کے ساتھیوں نے شاہ سے ملاقات کی جو تقریباً ایک گھنٹہ جاری رہی لیکن دونوں میں سے کوئی فریق بھی اپنے موقف سے ہٹنے پر آمادہ نہ ہوا۔ وزیر اعظم نے جلسہ عام میں ایک اور آتشیں تقریر کر کے لوگوں کے جذبات کو برانگیختہ کیا جس کے نتیجے میں اردن ایک مرتبہ پھر ہنگاموں کی گرفت

ہیں آگیا۔ لوٹ مار اور دنگا فساد عام ہو گیا اور حفاظتی فوج نے ایک بار پھر مداخلت کرنے سے انکار کر دیا۔

۸ر اپریل کو بکتر بند رجمنٹ نے عمان کو گھیرے میں لے لیا اور تمام اہم ناکوں اور راستوں پر پہرہ لگا دیا گیا۔ عمان سے باہر جانے یا داخل ہونے پر ہر شخص کی تلاشی لی جانے لگی اور عوام سے اسلحہ چھینا جانے لگا۔

شاہ حسین نے جنرل ابو نوار کی جواب طلبی کی تو فوجی دستے (عارضی طور پر) واپس بلا لئے گئے۔ اس کے ساتھ شاہ نے ۱۰ر اپریل ۵۷ء کو کابینہ کو توڑنے کا حکم دے دیا۔ جنرل ابو نوار کو یقین تھا کہ شاہ حسین کوشش کے باوجود نئی کابینہ کی تشکیل میں ناکام رہیں گے۔ چنانچہ اس کے مشورے پر وزیر اعظم نے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔

عمان میں حالات اتنے خراب ہو چکے تھے کہ کسی وقت بھی فوجی انقلاب اور شاہی خاندان کے قتل عام کا خطرہ تھا۔ شاہ حسین کے چچا شریف ناصر نے شاہ کو کسی محفوظ مقام پر منتقل ہونے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن نوجوان شاہ نے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا "میرا کام اپنی جان کی نہیں، ملک کی حفاظت کرنا ہے۔ میں یہیں رہوں گا اور ڈٹ کر حالات کا مقابلہ کروں گا۔"

باب نمبر ۱۱

عرب یونین کا قیام

شاہ حسین شروع سے عرب اتحاد کے متمنی ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تمام ممالک اپنے اختلافات ختم کر کے ایک ہو جائیں اور متحد ہو کر اپنے دشمن اسرائیل کا مقابلہ کریں۔ وہ معاہدہ بغداد کی تشکیل سے بھی قبل اس قسم کے ایک دفاعی معاہدے کے بارے میں خیالات کا اظہار کر چکے تھے اور جیسا کہ اس کتاب کے ایک ابتدائی باب میں بیان کیا جا چکا ہے۔ انہوں نے یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ تمام عرب ممالک مشترکہ دفاع کا معاہدہ کریں۔ یہی وجہ ہے کہ جب معاہدہ بغداد پر دستخط ہو گئے اور اس میں صرف ایک عرب ملک یعنی عراق کو شامل کیا گیا تو انہیں خاصی مایوسی ہوئی۔

تاہم انہوں نے اس کے چند سال بعد ۱۹۵۸ء میں عرب اتحاد کے خواب کو

شرمندۂ تعبیر کرنے کے لئے ایک قدم اٹھایا۔ یہ عراق اور اردن پر مشتمل عرب یونین کا قیام تھا۔

عراق اور اردن پر ایک ہی خاندان حکمران تھا شاہ فیصل مرحوم اور شاہ حسین کے پڑدادا شریف حسین نے پہلی جنگ عظیم کے دوران ترکوں کے خلاف علم بغاوت کر کے جس عمارت کی بنیاد رکھی تھی۔ شاہ حسین اور شاہ فیصل نے اس پر ایک منزل بنائی لیکن حوادث کی آندھی نے اسے جلد ہی مسمار کر دیا۔

اردن کے عوام سامراج کے ہاتھوں زخم کھا چکے تھے۔ اس لئے شاہ حسین اس کی گرفت میں جانے سے خوفزدہ تھے۔ دوسری طرف ان کی تعلیم و تربیت کچھ اس انداز سے ہوئی تھی کہ ان کے نظریات پر مغربی افکار کا گہرا اثر ہوا یہی وجہ ہے کہ وہ اشتراکیت کو بھی سامراج ہی کی طرح زہر قاتل سمجھتے ہیں۔ انہوں نے ان دونوں سے بچاؤ کے لئے عرب اتحاد کا راستہ اختیار کیا

دو ملکوں کا الحاق کچھ اتنا آسان نہیں جتنا بظاہر لگتا ہے۔ شاہ حسین کی راہ میں بھی متعدد مشکلات آئیں۔ تاہم انہوں نے ان سب کو دور کر دیا سب سے بڑی رکاوٹ نظریاتی اختلاف تھی صدر ناصر شام اور مصر کا الحاق کر کے متحدہ عرب جمہوریہ قائم کر چکے تھے (جو بعد ازاں ختم ہو گیا) یہ ان کے مشن کی ابتدا تھی اور وہ چاہتے تھے کہ تمام عرب ممالک بتدریج اس میں شامل ہوتے چلے جائیں۔ قدرتی طور پر ان کی نظر سب سے پہلے اردن پر پڑنا چاہیئے تھی۔ کیونکہ شام اور مصر کو ملانے کے لئے

اس کا الحاق اشد ضروری تھا اگر اردن بھی اس الحاق میں شامل ہو جاتا تو متحدہ عرب جمہوریہ جغرافیائی وحدت بھی بن جاتی اور بہت سے مسائل جو دونوں حصوں کے الگ الگ ہونے کے باعث موجود تھے حل ہو جاتے۔

لیکن صدر ناصر اور شاہ حسین کے نظریات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ صدر ناصر سوشلزم کی طرف مائل اور شاہ حسین اس سے گریزاں ہیں۔ اس لئے صدر ناصر کسی ایسے الحاق کو پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھ سکتے تھے جو ان کی راہ میں رکاوٹ کا باعث بنے یا ان کے خواب کی تکمیل نہ ہونے دے۔

داخلی طور پر سب سے بڑی مشکل عراق کے ایک خاص طبقے کی مخالفت تھی شاہ حسین کے برعکس شاہ فیصل کو امور مملکت پر مکمل کنٹرول حاصل نہ تھا اور عراق کی سیاسیات پر ان کے چچا شہزادہ امیر عبداللہ کی گرفت تھی۔ شاہ غازی کے انتقال کے وقت شاہ فیصل کم عمر تھے اس لئے امیر عبداللہ کو ریجنٹ مقرر کیا گیا تھا اور وہ کئی سال تک عملی طور پر عراق کے سربراہ رہے تھے جب شاہ فیصل تخت نشین ہوئے تو امیر عبداللہ کو ولی عہد نامزد کیا گیا۔ تاہم امور مملکت پر ان کی گرفت کا وہی عالم رہا۔

شاہ حسین اور شاہ فیصل بچپن کے دوست اور ایک دوسرے کے رازدان تھے شاہ حسین کو یہ بات پسند نہ تھی کہ شاہ فیصل کو ان کے ملک میں ثانوی حیثیت ملے وہ کئی بار اس کا اظہار بھی کر چکے تھے اور ولی عہد سے ان کی جھڑپ میں بھی ہو چکی تھیں اس لئے امیر عبداللہ شاہ حسین کو ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ جب شاہ طلال تخت

سے دستبردار ہو گئے تو امیر عبداللہ نے پوری کوشش کی کہ حسین بادشاہ نہ بننے پائیں۔

اور جب عرب یونین کے قیام کا مسئلہ زیر بحث آیا تو یہ مخالفت ایک بار پھر پورے زور شور سے سامنے آگئی۔

ابتدائی مذاکرات شاہ فیصل اور شاہ حسین کے درمیان ہوئے اور ان میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی۔ شاہ فیصل نے اس تجویز سے بھی اتفاق کیا کہ وہ اور حسین چھ چھ ماہ کے لئے باری باری یونین کے سربراہ ہوں گے۔

لیکن جب ولی عہد مذاکرات میں شامل ہو گئے تو انہوں نے اس کی شدید مخالفت کی۔ ان کا مطالبہ تھا کہ شاہ فیصل مستقل سربراہ مملکت ہوں۔ جب معاملہ کسی طور طے نہ ہو سکا تو انہوں نے شاہ حسین کو دو باتوں میں سے ایک قبول کرنے کا چیلنج دے دیا۔ یا تو فیصل کو مستقل سربراہ بنا دیا جائے یا پارلیمنٹ میں عراق کو زیادہ نشستیں دی جائیں۔

شاہ حسین نے قومی مفاد کو ذاتی مرتبے پر مقدم رکھا اور یہ پسند نہ کیا کہ پارلیمنٹ میں اردن کے ارکان اقلیت میں ہوں۔ چنانچہ انہوں نے شاہ فیصل کو مستقل سربراہ مملکت مان لیا اور خود ان کے نائب کی حیثیت قبول کر لی۔

اس طرح ۱۴ فروری ۱۹۵۸ء کو عرب یونین کا قیام عمل میں آیا۔ لیکن صرف پانچ ماہ کے لئے۔

باب نمبر ۱۲

شاہ فیصل کا قتل

عرب یونین ۱۴ فروری ۱۹۵۸ء کو قائم ہوئی تھی۔ اس کے ٹھیک پانچ ماہ بعد ۱۴ جولائی کو عراق کے شاہ فیصل کو بے دردی سے قتل کر کے اس کا شیرازہ بکھیر دیا گیا۔ اردن کی چوتھی ٹینک رجمنٹ کے ایک کیڈٹ کی گرفتاری سے شاہ حسین کو ان سازشوں کا علم ہو چکا تھا جو ان کے اور شاہ فیصل کے خلاف تیار کی گئی تھی۔ اس کیڈٹ کے بقول اس کے ذمہ یہ کام کیا گیا تھا کہ وہ کسی تقریب میں دستی بم پھینک کر شاہ حسین، شریف ناصر اور دوسرے قائدین کو ہلاک کر دے۔ کیڈٹ کے اقبال جرم کے مطابق اس کام کے لئے وسط جولائی کی کوئی تاریخ مقرر ہونا باقی تھی۔ عین اسی وقت بغداد میں شاہ فیصل کا یہی حشر ہونا تھا۔

شاہ حسین نے فون پر شاہ فیصل کو متنبہ کیا اور انہوں نے تفصیلات معلوم کرنے کے لئے اپنے کمانڈر ان چیف کو عمان بھیج دیا لیکن کمانڈر ان چیف نے شاہ حسین کی تشویش کا مذاق اڑایا اور خطرے کا احساس کئے بغیر واپس چلا گیا۔ شاہ حسین نے ایک بار پھر شاہ فیصل سے فون پر بات کی۔ وہ اگلے روز ترکی کے دورے پر روانہ ہونے والے تھے اور شاہ حسین نے قائم مقام سربراہ مملکت کے فرائض سنبھالنا تھے۔

اگلے روز صبح سات بجے شاہ حسین کو جگا کر شاہ فیصل کے قتل کی خبر سنائی گئی تھی لیکن اس وقت تک صحیح صورت حال کا علم کسی کو نہ تھا۔ ابھی خبر آئی کہ وہ قتل ہو گئے ہیں اور ابھی یہ کہ وہ ترکی کے دورے پر روانہ ہو چکے ہیں۔ بغداد باقی دنیا سے کٹ چکا تھا اور وہاں سے صحیح صورت حال کا پتہ کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں۔ تاہم کافی دیر بعد اس منحوس خبر کی تصدیق ہو گئی۔

کابینہ کے ہنگامی اجلاس میں متعدد وزراء نے مشورہ دیا کہ چونکہ عراق اور اردن معاہدے میں منسلک ہیں اور یونین بن چکے ہیں اس لئے اردن کو نئی حکومت کی شدید مخالفت کرنی اور یونین کے عراقی حصے میں فوج بھیج دینا چاہیئے تاکہ باغیوں کو کچلا جا سکے لیکن شاہ حسین عراقی عوام پر اپنی رائے ٹھونسنا نہیں چاہتے تھے۔ یوں بھی شاہ فیصل ولی عہد اور شاہی خاندان کے دوسرے ارکان کے علاوہ تمام وفادار وزراء ہلاک کئے جا چکے تھے۔ فوج کس کی جان کی حفاظت کے لئے بھیجی جاتی ہے غالباً چونکہ ابھی

تک صحیح صورت حال کا علم نہ تھا۔ اس لئے بھی شاہ حسین نے فوج بھیجنا مناسب خیال نہ کیا۔ پھر اگر فوج بھیج بھی جاتی تو لڑائی میں دونوں طرف سے مسلمانوں کی جان ہی جاتا شاہ حسین کے لئے یہ بات ناقابل قبول تھی۔ اردن کو بھی فوجی بغاوت کا خطرہ تھا اور اسرائیل کی فوجیں بھی سرحد پر جمع تھیں۔ ان تمام حقائق کے پیش نظر شاہ حسین نے کوئی فوری قدم اٹھانے سے انکار کر دیا۔

شاہ فیصل کے قتل اور عرب یومین کے خاتمے کے بعد اردن پر مزید مشکلات نے یلغار کر دی۔ اردن چاروں طرف سے گھر چکا تھا اور اس کے پاس دنیا سے رابطہ قائم رکھنے کے لئے کوئی راستہ نہ رہا تھا شام کی حکومت اردن کی درآمد برآمد کے لئے اپنی سرحدیں بند اور اردنی ہوائی جہازوں کو اپنی فضا میں سے گزرنے کی اجازت دینے سے انکار کر چکی تھی۔ اردن کی واحد بندرگاہ عقبہ ابھی تک مکمل نہ ہوئی تھی ورنہ عقبہ اور عمان کو ملانے والی سڑک۔ لے دے کے عراق کا راستہ رہ گیا تھا وہ بھی بند ہو گیا۔

اردن یک و تنہا رہ گیا تھا۔ اس کا کوئی دوست کوئی ساتھی نہ رہا تھا مستزاد یہ کہ اس کے تیل کا ذخیرہ ختم ہو رہا تھا۔ اردن کو اپنے شہریوں کے لئے پینے کا پانی فراہم کرنے کی غرض سے ٹیوب ویل چلانے، بجلی پیدا کرنے، قحط زدہ جنوبی علاقے تک رسد اور صحرائی مقام تک پانی پہنچانے کے لئے تیل کی ضرورت تھی۔ ابتداً اردن شام کے راستے لبنان سے تیل منگواتا تھا لیکن شام کے انکار

کے بعد اس نے عراق سے حاصل کرنا شروع کر دیا تھا۔ اب یک لخت یہ وسیلہ بھی نہ رہا تھا۔

شاہ حسین کی درخواست پر امریکہ نے اپنے تیل بردار طیاروں کی مدد سے خلیج فارس کے علاقے سے تیل اردن پہنچانا شروع کر دیا۔ لیکن ابھی مشکل سے درجن بھر طیارے ہی آئے ہوں گے کہ سعودی عرب کی حکومت نے امریکی طیاروں کو اپنے ملک کی فضا پر سے گذرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ شاہ حسین نے شاہ سعود سے ٹیلی فون پر بات کی لیکن انہوں نے یہ کہہ کر ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا کہ اگر مجھے پہلے پتہ چل جاتا تو میں آپ کی مدد کر سکتا تھا لیکن میری حکومت فیصلہ کر چکی ہے۔ اس لئے اب اسے بدلنا ممکن نہیں۔

اور یوں اردن کے تمام دوستوں، تمام عربوں، تمام پڑوسی مسلم ممالک نے ضرورت کے وقت اس کی مدد سے ہاتھ کھینچ۔

یہ نہیں کہ اردن کو تیل نہیں ملا۔ اس کے شہری پانی کے بغیر تڑپ تڑپ کر مر گئے، شہر تاریکی میں ڈوب گئے، اور جنوبی علاقے کے قحط زدہ لوگوں کو خوراک نہ مل سکی۔ یہ سب کچھ ہوا۔ اردن کو تیل مل گیا لیکن جس طرح ملا وہ سارے عالم اسلام کے لئے باعث شرم ہے۔ جب تمام دوستوں نے اردن کی مدد سے انکار کر دیا تھا اس وقت اس کے دشمن اسرائیل نے لبنان سے تیل لانے والے طیاروں کو اپنی فضا پر سے گذرنے کی اجازت دے دی۔

قانونی طور پر عرب یونین ابھی تک ختم نہیں ہوئی تھی اور شاہ حسین اس کے سربراہ بن چکے تھے۔ معاہدے کی رُو سے ایک علاقے کی اندرونی گڑبڑ کی صورت میں دوسرے علاقے پر امداد لازم تھی ہو سکتا تھا کہ شاہ حسین کو فوجی کارروائی کرنا پڑتی چنانچہ انہوں نے امریکہ اور برطانیہ سے اپنے فوجی دستے بھیجنے کی درخواست کی۔ ۱۷ جولائی کو وہ بیدار ہوئے تو قبرص میں متعین برطانوی فوج کے دستے ہوائی جہازوں کے ذریعے عمان کے ہوائی اڈے پر اترنا شروع ہو چکے تھے۔ دریں اثنا باغی عناصر گرفتار کئے جا چکے تھے۔

اردن کو تیل ملا تو اپنے دشمن اسرائیل کی مدد سے اور اس کی سلامتی کے تحفظ کے لئے فوج آئی تو برطانوی جسے شاہ حسین نے کتنی ہی مشکل سے اپنے ملک سے نکال باہر کیا تھا۔

باب نمبر ۱۳

گولیوں کی بارش میں

اردن میں سیاسی انتشار انتہائی نازک شکل اختیار کر چکا تھا۔ شاہ اور ان کی حکومت کے درمیان کھلم کھلا مخالفت جاری تھی۔ شاہ حسین کی ہدایات، اور ملکی قوانین کو نظر انداز کیا جارہا تھا۔ کمیونسٹ پارٹی خلاف قانون جماعت تھی، لیکن عمان کے چوراہوں میں تقریباً روزانہ اس کے جلسے ہوتے تھے اور سرخ پھریرے لہراتے دکھائی دیتے تھے۔

نابلسی کی حکومت کو صدر ناصر کی پوری حمایت حاصل تھی۔ اس کا ثبوت وہ تار ہے جس کا ذکر شاہ حسین نے اپنی خود نوشت سوانح حیات میں کیا ہے اور جس میں نابلسی کو ڈٹ کر لڑنے کی ہدایت کی گئی تھی۔

نابلسی کے مستعفی ہونے کے بعد شاہ حسین کے لئے اولین مسئلہ نئی کابینہ کی تشکیل

کا تھا۔ ۱۱ اور ۱۲ اپریل کا دن اس میں گزرا لیکن کوئی بھی راہنما اس آڑے وقت میں یہ ذمہ داری سنبھالنے پر آمادہ نہ ہوا۔ شاہ نے مشہور فلسطینی راہنما ڈاکٹر حسین فخری خالدی کو کابینہ بنانے کی دعوت دی لیکن نوبلسی نے جو رکاوٹیں کھڑی کر رکھی تھیں۔ انہیں ہٹانا آسان نہ تھا جلد ہی ڈاکٹر خالدی نے ہار مان لی۔ بعد ازاں شاہ نے نوبلسی کے وزیر داخلہ اور نیشنل سوشلسٹ پارٹی کے ایک راہنما عبدالحلیم نمر کو دعوت دی۔ شروع میں نوبلسی گروپ نے یہ شرط لگائی کہ وہ ان کی مرضی کے افراد کو کابینہ میں رکھے گا۔ یہ کام مشکل بنا دیا۔ لیکن جب انہیں پتہ چلا کہ شاہ سعید مفتی کو وزیر اعظم کا منصب دینے کے بارے میں غور کر رہے ہیں تو وہ نمر کی حمایت پر آمادہ ہو گئے۔

ادھر ابو نوار نے سعید مفتی کو ایک فوجی کیمپ میں بلا کر کہا۔

"آپ کو فوری طور پر شاہ سے ملنا چاہیئے۔ انہیں بتا دیجیئے کہ صورت حال بہت نازک ہو چکی ہے۔ اگر آج رات نو بجے تک تمام جماعتوں کے لیئے قابل قبول کابینہ کا اعلان نہ کیا گیا تو میں اور میرے ساتھی کسی بات کے ذمہ دار نہ ہوں گے۔"

جنرل ابو نوار نے اس سے ملتا جلتا الٹی میٹم اسی شام شاہی محل میں آ کر چیف دیوان کو بھی دیا۔

یہ سیاسی سودے بازی جاری تھی کہ اردن کی سب سے بڑی چھاؤنی زرقا سے چند فوجی افسر شاہی محل پہنچے اور انہوں نے شاہ کے لیئے ایک خط پیش کیا اس میں لکھا تھا۔

"زرقہ میں متعین وفادار فوجی افسر سخت پریشان ہیں کیونکہ انہیں عجیب و غریب احکامات مل رہے ہیں۔ ہمیں یہ اطلاع بھی ملی ہے کہ چند دستے عنقریب عمان کو گھیرے میں لے لیں گے۔ ہمارے خیال میں ہمارے افسروں کی وفاداری مشکوک ہے۔ براہِ کرم اس ضمن میں اپنے احکامات صادر فرمایئے۔"

شاہ کے وفادار دستے اردن کے دور دراز حصوں میں منتقل کیے جا رہے تھے پہلی بکتر بند رجمنٹ ابھی تک زرقہ میں تھی لیکن اس کا کمانڈر نذیر رشید جنرل ابونوار کا گہرا دوست تھا۔ اسی طرح شہزادی عالیہ پیادہ بریگیڈ کی کمان ابونوار کے چچازاد بھائی کے ہاتھ میں تھی۔

ادھر بکتر بند رجمنٹ کے کمانڈر نے افسروں سے خطاب کرتے ہوئے انہیں آگاہ کیا کہ انہیں فوری نوٹس پر عمان پہنچنا اور شاہی اور سرکاری عمارات کو گھیرے میں لے لینا ہوگا۔ اس نے کہا کہ "ہر گولی کا جواب چھ پاؤنڈ کے گولے سے دیا جائے" یہ افسر شاہ کے وفادار تھے۔ انہوں نے اپنے ماتحت افسروں سے اور ماتحت افسروں نے اپنے قابل اعتماد سپاہیوں سے مشورہ کیا۔ جس کے بعد سب نے فیصلہ کیا کہ وہ بظاہر باغیوں کے وفادار رہیں لیکن شاہ کو صورت حال سے آگاہ کر دیا جائے۔ چنانچہ ان کے ایک نمائندہ نے شاہ حسین کو ساری بات بتا دی۔

اب شاہ حسین نے اپنی فوج کمانڈر۔ ان۔ چیف سے دو ٹوک بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

سات بج چکے تھے اور الٹی میٹم کا وقت ختم ہونے میں صرف دو گھنٹے باقی تھے۔ جنرل ابونوار شاہی محل میں داخل ہوا۔ شاہ حسین نے بڑی سختی سے اس کی جواب طلبی کی لیکن پیشتر اس کے کہ وہ زبان کھولتا۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی شہزادی عالیہ پیادہ بریگیڈ کا کمانڈر اپنے چچازاد بھائی ابونوار سے بات کرنا چاہتا تھا۔

ابونوار نے ریسیور کان سے لگایا۔ اچانک اس کا رنگ زرد پڑ گیا۔

بریگیڈ کے سپاہیوں میں یہ خبر پھیل گئی تھی کہ ان کے بادشاہ کو قتل کر دیا گیا ہے یا آج رات کر دیا جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے عمان کی طرف دھاوا بول دیا تھا تاکہ شاہ کی جان بچا سکیں۔ انہیں قابو کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی تھیں۔ اور اب صرف ایک امید باقی تھی کہ شاہ حسین خود چھاؤنی پہنچ کر سپاہیوں کو اپنی شکل دکھا جائیں۔ شاہ حسین نے ابونوار کے ہاتھ سے ریسیور چھین کر کہا۔

"میں آرہا ہوں"

اور چند ساعت بعد شاہ زرقا کی طرف جا رہے تھے شاہ کے ساتھ ابونوار اور شریف ناصر بھی تھے۔

راستے کے پل پر ایک فوجی لاری نے ان کا راستہ روک لیا۔ یہ لاری سپاہیوں سے لدی ہوئی تھی اور وہ سب رائفلیں لہراتے ہوئے نعرے لگا رہے تھے شاہ حسین کار سے باہر نکلے تو ایک افسر نے انہیں پہچان لیا اب کیا تھا سب نے انہیں گھیرے میں لے لیا ہر ایک کی کوشش تھی کہ وہ سب سے پہلے اپنے بادشاہ

کے ہاتھ پر بوسہ دے۔ بہرصورت شاہ حسین نے ان سب کو واپس جانے کی ہدایت کی اور خود آگے روانہ ہو گئے۔

شاہ حسین نے مڑ کر جنرل ابونوار کی طرف دیکھا۔ وہ خوف کے مارے کانپ رہا تھا۔ اس نے درخواست کی کہ اسے واپس جانے کی اجازت دے دی جائے اسے ڈر تھا کہ یہ لوگ اسے جان سے مار ڈالیں گے شاہ حسین نے اسے کار سے اتار دیا۔ اور محل میں انتظار کرنے کا کہہ کر زرقہ کی طرف بڑھنے لگے۔ اب مزید فوجی لاریاں آ رہی تھیں۔ شاہ پکار پکار کر انہیں واپس جانے کی تلقین کرتے آگے بڑھتے گئے۔ کئی دفعہ یوں بھی ہوا کہ کسی افسر نے اپنے بادشاہ اپنے سپریم کمانڈر کو نہیں پہچانا اور اس نے سٹین گن کی نالی شاہ کی چھاتی پر رکھ دی۔

زرقہ پہنچ کر شاہ کو اصل بات کا پتہ چلا۔ پیادہ فوج کی ایک رجمنٹ کو ہتھیاروں کے بغیر لمبے مارچ پر جانے کا حکم ملا تھا لیکن سپاہی چونکہ عجیب و غریب خبریں سن چکے تھے اس لئے وہ بے چین تھے۔ ان میں سے ایک نے اپنے کمانڈر کو مخاطب کر کے بادشاہ کے بارے میں پوچھا کمانڈر کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکا تو سپاہی اسلحہ کے ڈپو پر ٹوٹ پڑے۔ باقی رجمنٹیں بھی ان کے ساتھ مل گئیں اور وہ حقیقت معلوم کرنے کے لئے خود عمان کی طرف چل کھڑے ہوئے۔

باغی افسروں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو انہوں نے توپ خانے کو ان کا راستہ روکنے کا حکم دے دیا۔ توپ خانے کے سپاہیوں سے کہا گیا تھا کہ

پیادہ فوج نے شاہ کے محل کو گھیرے میں لینے کے لئے حملہ کیا ہے۔ اسی طرح فوج کے یہ دو یونٹ اپنی وفاداری کا ثبوت دینے کے لئے برسرِ پیکار ہو گئے۔

شاہ حسین نے ایک بکتر بند کار کی چھت پر چڑھ کر جوشیلے سپاہیوں سے خطاب کیا۔ اس اثنا میں چاروں طرف سے گولیاں چل رہی تھیں اور بعض گولیاں تو شاہ کے اتنے قریب سے گذر رہی تھیں کہ وہ ان کی گرمی محسوس کر رہے تھے۔ پھر وہ توپ خانے کے سپاہیوں کو سمجھانے بجھانے کے لئے آگے بڑھے۔ اب وہ ایسی جگہ پہنچ چکے تھے جہاں دونوں طرف سے بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ تاہم ان کا بال بیکا نہ ہوا۔ فوج کو قابو کرنے کے بعد وہ عمان کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں ایک باغی افسر نے جسے ان کی واپسی کا علم تھا ایک پل پر بارودی سرنگ بچھا دی لیکن جونہی شاہ کی کار پل کے پاس پہنچی تاریکی سے کسی نے گولی چلا کر اس باغی کو ٹھنڈا کر دیا۔ اس طرح شاہ ایک بار پھر مرتے مرتے بچے۔

شاہ حسین واپس پہنچے تو محل کے گرد عوام کا ہجوم تھا۔ وہ سب شاہ حسین زندہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے ابونوار کے لئے سزائے موت کا مطالبہ کر رہے تھے۔

اور محل کے اندر ابونوار بچوں کی طرح بلبلا کر رو رہا تھا۔ اس کا چہرہ زرد تھا اور وہ شاہ حسین سے اپنی زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔ اسی شخص نے جس کی زندگی ختم کرنے کے لئے اس نے لمبا چوڑا منصوبہ بنایا تھا۔

شاہ حسین کے سامنے وہی شخص تھا جسے وہ کبھی اپنا دوست، ہمدرد اور ہم راز

جھتے تھے لیکن حسین نے ان کے اعتماد کو ٹھیس لگائی تھی اور ان کے دشمنوں سے جا ملا تھا۔ اس کے باوجود انہوں نے اسے معاف کر دیا اور اسے ملک سے باہر جانے کی اجازت دے دی تاکہ بپھرے ہوئے عوام کہیں اس کی تکا بوٹی نہ کر دیں۔

سویز کی پہلی جنگ کے بعد سے اردن کی اجازت سے شام اور سعودی عرب کی ایک ایک بریگیڈ فوج اردنی علاقے میں متعین تھے۔ ادھر شاہ حسین بغاوت کر چکے تھے اور ادھر شامی بریگیڈ نے ایک شہر کو گھیرے میں لے لیا۔ شاہ سعود نے اس موقع پر شاہ حسین کی مدد کی اور اپنی بریگیڈ براہ راست ان کی کمان میں دے دی۔ جس کی بدولت شامی فوج کو پیچھے ہٹ جانا پڑا۔ مابعد ازاں پتہ چلا کہ شامی بریگیڈ کی نقل و حرکت کے بارے میں شام کے صدر اور کمانڈر۔ ان چیف کو بھی علم نہ تھا۔

شاہ حسین نے جنرل ابو نوار کی جگہ جو نیا کمانڈر۔ ان۔ چیف مقرر کیا تھا۔ وہ شامی کمانڈر۔ ان۔ چیف سے ملاقات کے بہانے سرحد پر گیا اور پھر واپس نہ آیا۔ ادھر ڈاکٹر خالدی کی زیر قیادت نئی کابینہ بھی ناکام ہو گئی۔

شاہ نے جنرل مجالی کو کمانڈر۔ ان چیف مقرر کرنے کے بعد ابراہیم ہاشم کی زیر قیادت نئی کابینہ تشکیل دی۔ تمام سیاسی پارٹیاں توڑ دیں۔ ملک میں مارشل لا لگا دیا اور فوج نے اہم ٹھکانے سنبھال لئے۔

فوجی بغاوت کچل دی گئی تھی اور یوں شاہ حسین موت سے اور ان کا ملک تباہی سے بچ گیا۔

باب نمبر ۱۴

جان کے دشمن

شاہ فیصل کے قتل، زرقہ کی ناکام بغاوت اور شامی مگ طیاروں کے حملے کا ذکر ہو چکا۔ لیکن شاہ حسین کی زندگی ختم کرنے کے لئے صرف یہی کوششیں نہیں ہوئیں۔ بقول شاہ حسین ان کی زندگی پر نظر ڈالی جائے تو یہ کسی جاسوسی ناول کی کہانی دکھائی دیتی ہے وہ جب سے تخت نشین ہوئے ہیں ان کی زندگی خطرات سے پر رہی ہے یہ اور بات ہے کہ وہ کسی خطرے کو خاطر میں نہیں لاتے۔

شاہ اردن پر پہلا قاتلانہ حملہ ۱۹۵۶ء میں جنرل گلب کی برطرفی سے کچھ پہلے ہوا۔ شاہ حسین اور ان کے چچا شریف ناصر کے پاس ایک جیسی بیوک کاریں تھیں گرمیوں کے دن تھے اور شاہ عام طور پر رات کے کھانے کے لئے اپنی کاریں اپنے

دیہی مکان جایا کرتے تھے۔ ایک رات جب شاہ حسین حسب معمول اپنی کار میں اس طرف جا رہے تھے تو راستے میں انہیں اپنے چچا کی بیوک ملی۔ اس کے اگلے پہیے سڑک کے کنارے ایک گڑھے میں تھے۔ شریف ناصر پاس ہی کھڑے تھے لیکن اس صورت میں کہ ان کے کپڑے اور سر کے بال گرد میں اٹے پڑے تھے۔ شاہ حسین نے کار روکی اور یہ سمجھ کر کہ چچا کی کار کا پہیہ پنکچر ہو گیا ہے۔ ان کی مدد کو آگے بڑھے۔ پہیہ ضرور پنکچر ہوا تھا لیکن سڑک پہ پڑے کسی کیل سے نہیں بلکہ رائفل کی گولیوں سے۔

ہوا یوں کہ ایک موڑ پہ قاتل اپنی کار میں تاک لگائے بیٹھے تھے۔ دور سے شریف ناصر کی کار آئی تو انہوں نے اپنی کار کی بتیاں جلا کر اطمینان کر لیا کہ یہ شاہی بیوک ہی تھی۔ پھر انہوں نے دو رائفلوں سے گولیاں برسانا شروع کر دیں کار پر کل نو گولیاں لگیں۔ جن میں سے دو سامنے کے شیشے پہ عین اس جگہ تھیں جہاں سٹیرنگ وہیل ہوتا ہے۔ شریف ناصر پہلی گولی کے ساتھ ہی نشست پہ لیٹ گئے تھے۔ جب ایک گولی نے اگلا ٹائر پنکچر کر دیا اور گاڑی رک گئی تو وہ زمین پر کود گئے۔ انہوں نے زمین پہ گر تے ہی اپنی رائفل سے فائر شروع کر دیئے۔ جس پہ قاتل اپنی کار بھگا لے گئے۔

آج تک معلوم نہیں ہو سکا کہ شاہ کو قتل کرنے کی یہ ناکام کوشش کس نے کی تھی۔

شاہ کو قتل کرنے کی ایک اور سازش فوج کے شعبۂ قانون کے ایک ملازم کی وفاداری کی بدولت ناکام بنادی گئی۔ ایک غیر ملکی سفارت خانے کے فوجی اتاشی نے اس ملازم کو خریدنے کی کوشش کی اور شاہ کو قتل کرنے کے عوض بھاری انعام کی رشوت پیش کی۔ اس وفادار نے فوراً چیف آف سٹاف کو مطلع کر دیا۔ جس نے اس کی شہادت ٹیپ ریکارڈ کرنے کے بعد شاہ کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔ اس ملازم سے کہا گیا کہ وہ بظاہر اس کام کے لئے راضی ہو جائے۔ فوجی اتاشی کے ساتھ اگلی ملاقات پر اس کے کپڑوں میں چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈ چھپا دیا گیا لیکن دشمن بہت ہوشیار تھا۔ جونہی وہ ملازم سفارتخانے میں داخل ہوا۔ اس کی تلاشی لی گئی۔ اس کے قبضے سے ٹیپ ریکارڈ اور پستول برآمد ہوا تو اسے بری طرح زدوکوب کیا گیا اور پھر اس سے اپنی مرضی کے ایک بیان پر دستخط کرا لیے گئے۔

سفارت خانے کے حکام نے پولیس کو اطلاع کی کہ کوئی نامعلوم شخص سفارتخانے کو لوٹنے کے لئے گھس آیا ہے۔ تاہم چند روز بعد اس فوجی اتاشی کو غیر پسندیدہ شخص قرار دے کر ملک سے نکال دیا گیا۔

ایک اور سازش زرقہ کی بغاوت کے بعد لیکن شاہ فیصل کے قتل سے کچھ پہلے پکڑی گئی۔

ان دنوں اردن، شام اور مصر مشترکہ فوجی کمان کے تجرباتی دور سے

گذر رہے تھے کہ فوج کے ہیڈ کوارٹرز میں مشترکہ کمان کے ایک غیر ملکی افسر کے سیف سے ایک خط پکڑا گیا جس میں اس نے اپنے اعلیٰ حکام کو اطلاع دی تھی کہ جنرل حیاری جو زرقہ کی بغاوت کی ناکامی کے بعد ملک سے فرار ہو گئے تھے۔ جنرل ابو نوارہ کے نقش قدم پر چل رہے ہیں گے اور جنرل ابو نوارہ کو حکومت کا تختہ الٹنے میں مدد دیں گے۔ اس خط میں شاہ کے مخالف اور وفادار افسروں کی ایک فہرست بھی شامل تھی۔ بر وقت پتہ چل جانے سے یہ سازش بھی ناکام بنا دی گئی۔

شاہ حسین کے دادا شاہ عبداللہ کو بلیاں بہت پسند تھیں۔ اس لئے شاہی محل میں ان کی کافی تعداد تھی۔ ایک روز شاہ حسین محل کے سبزہ زار میں کھیل رہے تھے کہ انہیں ایک مردہ بلی نظر آئی۔ چند قدم آگے ایک اور بلی کی لاش پڑی تھی اور تھوڑی دور ایک اور بلی مری پڑی تھی۔ شاہ حسین کو ان بے زبان جانوروں کی موت کا بہت دکھ پہنچا۔ وہ سمجھے کہ غالباً بلیوں کو کھانے کو کچھ نہیں ملتا۔ اس لئے وہ بھوکی مر گئی ہیں۔

لیکن حقیقت کچھ اور ہی تھی۔ اس سے پہلے روز چھ اور اس سے قبل سات بلیاں مردہ پائی گئی تھیں۔ محل کے حکام نے ان کا پوسٹ مارٹم کرایا تو پتہ چلا کہ ان سب کو زہر دے کر ہلاک کیا گیا تھا۔

امدن کے سرکاری بیان کے مطابق یہ افسر مصری تھا

دراصل شاہی محل کا ایک باورچی دشمنوں سے ملا ہوا تھا۔ اسے یہ کام سونپا گیا تھا کہ وہ شاہ کی خوراک میں زہر ملا دے لیکن چونکہ وہ ایسے کاموں میں اناڑی تھا۔ اور اسے پتہ نہ تھا کہ زہر کی کیا مقدار مناسب رہے گی۔ اس لیے اس نے پہلے بلبلوں پر ہاتھ صاف کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس سے غلطی یہ سرزد ہوئی کہ وہ زہر کھلانے کے بعد بلبلوں کو کھلا چھوڑ دیتا رہا جو بعد ازاں باغ میں تڑپ تڑپ کر مرتی رہیں اگر وہ ذرا ہوشیاری سے کام لیتا تو شاہ کے دشمن اپنی سازش میں کامیاب ہو جاتے۔ بہر صورت اس باورچی کو قید کر دیا گیا۔

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد شاہ حسین عید کی نماز ادا کر کے شاہی محل کی طرف جا رہے تھے کہ ایک بچی جس نے قرآن شریف ہاتھ میں اٹھا رکھا تھا کار کے آگے آ گئی۔ شاہ نے کار روکی تو اس لڑکی نے درخواست کی کہ اس کے باپ کو رہا کر دیا جائے۔

یہ اس باورچی کی بچی تھی جس نے شاہ کو زہر دینے کی کوشش کی تھی۔ شاہ نے اسے اس دن رہا کر دیا اور اس نے عید اپنے بیوی بچوں کے ساتھ منائی۔

شاہ کے ناک میں نقص ہے اور سینڈ ہرسٹ میں قیام کے دوران ان کا آپریشن بھی ہوا تھا لیکن وہ پوری طرح صحت یاب نہ ہو سکے تھے۔ جب بھی تکلیف بڑھتی ڈاکٹر انہیں مکمل آرام کی ہدایت کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ ایک دوا بھی

استعمال کرتے تھے جس کے قطرے ناک میں ڈالے جاتے ہیں۔

اگست سن ۱۹۶۰ء کے آخری ایام میں یہ تکلیف بڑھ گئی تھی اور شاہ حسین اپنے وہی مکان میں آرام کر رہے تھے کہ ان کے وزیر اعظم اور ذاتی دوست مجالی کو قتل کر دیا گیا۔

مجالی نے پیر کا دن عام ملاقات کے لیئے مخصوص کر رکھا تھا۔ اس دن ان کے دفتر کے دروازے ہر خاص و عام کے لئے کھلے رہتے تھے ۲۹ اگست کو بھی پیر تھا۔ وزیر اعظم کے دفتر کے دروازے وا تھے، ایک ستر سالہ بوڑھا ایک ضعیف عورت اور ایک دس سالہ بچہ ان لوگوں میں شامل تھے جو وزیر اعظم کے پاس اپنی شکایات لے کر آئے تھے۔ وہ باری باری ہر ایک کی بات سن رہے تھے کہ زور کا دھماکہ ہوا۔ در و دیوار ہل گئے اور عمارت کا بڑا حصہ تباہ ہو گیا وزیر اعظم مجالی اور متعدد افراد موقع پر ہلاک ہو گئے۔

شاہ کو جب ٹیلی فون پر اس سانحہ کی اطلاع ملی تو ان کے غم و غصے کی انتہا نہ رہی۔ وہ اپنی مشین گن لے کر فوراً عمان روانہ ہو گئے۔

لیکن ابھی راستے میں ہی تھے کہ دو کاروں نے ان کا راستہ روک لیا۔ ان میں وزیر دفاع اور کمانڈر ان چیف (جو وزیر اعظم مجالی مرحوم کے چچا زاد تھے) سوار تھے۔ انہوں نے شاہ کو آگے جانے سے روک دیا۔ ان کا خیال تھا کہ شاہ کی جان کو بھی خطرہ ہے۔

ان کا یہ خطرہ درست نکلا، سازشیوں نے وزیر اعظم کی میز کے درازوں میں دو بم نصب کئے تھے ان کو یقین تھا کہ جب شاہ حسین اپنے دوست اور وزیر اعظم کی موت کی خبر سنیں گے تو فوراً وہاں پہنچیں گے۔ اس وقت دوسرا بم پھٹ جائے گا اور شاہ بھی اپنے وزیر اعظم سے جا ملیں گے۔

وزیر اعظم کے قتل کے عین چار گھنٹے بعد جب سرکاری عملہ ملبہ اٹھا کر لاشیں نکالنے میں مصروف تھا، دوسرا بم پھٹا اور کئی اور جانیں ضائع ہو گئیں۔ دونوں دھماکوں میں وزیر اعظم سمیت بارہ افراد ہلاک ہوئے۔ شاہ کو چونکہ ان کے مشیروں نے وہاں جانے سے منع کر دیا تھا۔ اس لئے وہ محفوظ رہے۔

دوسرا بم پھٹنے کے باوجود خطرہ ختم نہیں ہوا تھا، وزیر دفاع اور کمانڈر ان چیف کو اطلاع مل چکی تھی کہ شاہ کی زندگی کو ختم کرنے کی ایک اور کوشش کی جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے شاہ کو اپنے محل یا ذاتی مکان میں سونے کی ممانعت کر دی۔

شاہ حسین نے وہ رات اپنے انگریز دوست اور شاہی گیراج کے انچارج رنیورہ کے کوارٹر میں گذارنے کا فیصلہ کیا، انہوں نے رنیورہ سے کہا کہ وہ ان کی ناک کی دوا کی ایک نئی شیشی بھی منگوا دے۔

شاہ ابھی سونے کی تیاری کر رہے تھے کہ رنیورہ کی اہلیہ نے غسل خانے سے انہیں آواز دی۔ وہ وہاں پہنچے تو ہاتھ دھونے والے بیسن کے کنارے

پر دوا کی آدھی خالی شیشی پڑی تھی جو وہ استعمال کرتے رہے تھے چند قطرے بیسن میں گرے ہوئے تھے اور ان میں بلبلے سے اٹھ رہے تھے. شاہ انہیں غور سے دیکھ رہے تھے کہ بیسن کا کروم پگھل کر اتر گیا۔

دراصل محل کے کسی نمک حرام ملازم نے شاہ کی دوا کی شیشی خالی کر کے اس میں انتہائی تیز تیزاب بھر دیا تھا۔ ریفور چونکہ نئی شیشی لے آیا تھا اس لئے اس کی اہلیہ نے پرانی شیشی کی "دوا" بیسن میں انڈیل دی ——— اور یوں ایک بار پھر قدرت نے شاہ حسین کی جان بچالی۔

شاہ حسین کے خلاف آخری سازش ۱۹۶۰ء کے اواخر میں ہوئی۔ وزیر اعظم مجالی کے قتل کے تقریباً ایک ماہ بعد شاہ حسین امریکہ کے دورے پر جانے لگے تو انہیں اطلاع ملی کہ ان کی عدم موجودگی میں فوجی انقلاب کے ذریعے حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش تیار کی گئی ہے بغاوت کے قائد چیف آف سٹاف جنرل صادق تھے۔

منصوبہ یہ تھا کہ شاہ امریکہ جائیں تو کمانڈر ان چیف اور شاہی خاندان کو قتل کر کے فوج کی مدد سے اہم مقامات پر قبضہ کر لیا جائے۔

شاہ حسین نے اس موقع پر ایک انوکھا فیصلہ کیا۔ انہوں نے بغاوت کے قائد اور اپنے دشمن جنرل صادق کو امریکہ جانے والی شاہی ٹیم میں شامل کر لیا۔

جنرل صادق نے بہت حیل و حجت کی، غسل خانے میں گر کر پسلیاں تڑوانے کا بہانہ بھی تراشا، لیکن اس کی ایک نہ گئی۔ امریکہ کے دورے میں پھر اس نے کسی نہ کسی بہانے واپس جانے کی کوششیں کی تھیں، شاہ نے اس کی ایک نہ چلنے دی۔ وہ اپنے خواب ادھورے رہتے دیکھ کر پریشان ہو رہا تھا۔ اسے صرف امریکی اخبارات کے ذریعے ہی وطن کی کوئی اطلاع مل سکتی تھی۔ اور اخبارات میں اس کے لئے کوئی خوش خبری نہ تھی۔ اردن میں اس کے ساتھیوں کو یکے بعد دیگرے گرفتار کیا جا رہا تھا۔ جنرل صادق نے گرفتاریوں کی خبریں سن کر واپسی پر آپریشن کے لئے لندن رکنے کی درخواست کی لیکن شاہ نے اسے دورہ ادھورا چھوڑنے کی اجازت نہ دی۔ تاہم وعدہ کیا کہ وہ اردن پہنچنے کے بعد اس کو آپریشن کے لئے لندن بھیجنے کا انتظام ضرور کر دیں گے۔

عمان پہنچتے ہی جنرل صادق کو گرفتار کر لیا گیا۔ عدالت نے اسے بغاوت کے الزام میں موت کی سزا دی۔

———— اور شاہ حسین نے اپنے اس جانی دشمن کی سزائے موت بھی عمر قید میں بدل دی۔

استفادہ

1: Uneasy Lies the Head - Shah Hussein of Jordan.
2. Memoirs of King Abdullah - Shah Abdullah of Jordan.
3:- A Soldier with the Arabs - General Glubb.
4 Full circle - Anthony Eden.
5: The Arab Awakening - G Antonus.
6: The Asian Century - Jain Romein.
7. An Encyclopedia of World History - William. L. Langer.
8: Britain and the Middle East - R. Bullard.
9 INSIDE ASIA - J. GUNTHER
10 The Arab World - N. IZZEUDIN
11: A Short History of Middle East - G.E Kirk
12: Asia and western Dominance - K.M. panikkar.

اور

متعدد اخبارات و جرائد کی فائلیں

بچّوں کا ادب

281

جھونپڑے سے محل تک

قائدِ انقلاب ——

سوئیکارنو

کی دلچسپ اور حیرت زا داستان

باتصویر، مجلد، خوبصورت گردپوش ■ قیمت ۴ روپے صرف

مکتبۃ الاخوان' پیسہ اخبار لاہور'

طباعت سرورق: پن پریس لمیٹڈ۔ لاہور